حقیقت اور اس کی تاریخ سے ناواقفی یا بے ذوقی کی دلیل ہے۔" (شہید کربلا اور یزید صفحہ)

مولانا محمد طیب صاحب کی یہ کتاب پڑھنے کے بعد آپ کو اختیار ہے کہ محمد میاں صاحب کے جملوں کو خلافت کی حقیقت سے ناواقفیت پر محمول کریں یا اسے ان کی بے ذوقی تصور فرمائیں گے

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اور اگر محمد میاں صاحب کو اس کتاب یا اس کے فاضل مصنف مولانا طیب صاحب سے کچھ اختلاف ہو تو ان کے لئے مناسب ہوگا کہ وہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:۔

خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوائے خلافت راشدۃ پیغامبر کہ بمرور سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔	امام حسین علیہ السلام کا خروج پیغمبر (علیہ السلام) کی خلافت راشدہ کے دعوے کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ ایک ظالم کے ہاتھ سے رعایا کو چھڑانے کی بنا پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے۔
(فتاویٰ عزیزی صد ۱۲ بحوالہ شہید کربلا اور یزید صفحہ)	

اس عبارت کو ملاحظہ فرمانے کے بعد ممکن ہے کہ محمد میاں صاحب تو مطمئن ہو جائیں، لیکن مجھ جیسے وابستہ "جماعت دار العلوم دیوبند" کی بے اطمینانی دور نہ ہو سکے گی اور یہ حیرانی باقی رہے گی کہ جماعت دار العلوم دیوبند کا مسلک کیا سمجھا جائے (درحالے کہ جس طرح محمد میاں صاحب کے بیان کی ذیلی سرخی میں ان کے بیان کو: "علماء دار العلوم دیوبند وجمعیۃ علمائے ہند کا مسلک" قرار دیا گیا ہے اسی طرح مولانا محمد طیب صاحب کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" میں یوں دعویٰ فرمایا گیا ہے کہ "یہ کتاب جماعت دار العلوم دیوبند کے متفقہ مسلک حق کی ترجمان ہے" کیونکہ ان دونوں تحریروں میں جو بنیادی اختلاف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس لئے مناسب تو یہ تھا کہ ان حضرات نے ایسے بلند بانگ دعوؤں سے پہلے آپس میں کم از کم مشورہ تو کر لیا ہوتا کہ ان کا مسلک اس طرح آپس کی تضاد بیانی کی نذر تو نہ ہوتا۔

اس اعلان اور بیان کے بعد عزیز احمد صاحب قاسمی نے الجمعیۃ سنڈے ایڈیشن میں عباسی صاحب کی کتاب پر "ایک طائرانہ نظر" ڈالی جو ۲۲ اور ۲۹ نومبر کی دو قسطوں میں شائع ہوئی۔

اس مضمون میں ضروری حوالے کی بعض غلطیوں کی نشان دہی کی گئی تھی اور یہ مشتے نمونہ از خروارے" کے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے پوری کتاب کو مجروح اور نا قابل اعتبار ٹھیرانے کے لئے اس مضمون کو کافی سمجھ لیا گیا تھا، حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے قاسمی صاحب کی ان گرفتوں سے کتاب کے ایک جزء پر کچھ معمولی سا اثر ضرور[1] پڑ سکتا تھا بشرطیکہ اس سلسلہ میں عباسی صاحب کی بنیاد متعدد حوالوں پر ہے اس لئے تاوقتیکہ ان سب کو مجروح اور غلط ثابت کیا جائے، ایسے اعلانات و مضامین کو نہ صرف طائرانہ ہی سمجھا جا سکتا ہے بلکہ طفل تسلی سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہو سکتی۔

ان اخباری اعلانات و بیانات کے بعد حضرت مولانا محمد طیب صاحب کی تازہ تصنیف "شہید کربلا اور یزید" بھی مطالعہ میں آئی مگر اس طرح کہ جس وقت یہ کتاب مطالعہ کے لئے میں نے اٹھائی تھی میں سراپا شوق تھا اور مطالعہ کے بعد جس دم یہ کتاب رکھی ہے تو گویا میں مجسمہ یاس بن چکا تھا اور اسی عالم مایوسی میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کاش مولانا "الجمعیۃ" کے اس مختصر اعلان بیزاری پر ہی اکتفا فرماتے تو کیا اچھا ہوتا کم از کم بھرم تو باقی رہتا اور ہم جیسے پرانے نیاز مندوں کے قدیم حسن ظن کو ٹھیس تو نہ لگتی۔ ہم اپنے دلوں کو سمجھا لیتے کہ حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کو در خور اعتنا نہیں خیال فرمایا اور تقاضائے مصلحت یہی جانا کہ اس کا کوئی جواب نہ دیا جائے ورنہ اس کی طرف ذرا بھی توجہ کرنا اس کو قعر مذلت سے نکال کر بام شہرت تک پہنچا دینے کے مرادف ہوگا۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ایسا نہ ہوا اور مصنف کے صاحبزادے کی طرف سے "عظیم دعوت فکر" بن کر "شہید کربلا اور یزید" نامی یہ کتاب ہمارے سامنے آ گئی۔ آئندہ سطور میں اس کا خلاصہ نمبروار پیش ہے اس کے ساتھ ہی اپنی معروضات بھی حاضر ہیں اور فیصلہ ارباب دانش و بینش کے ہاتھ ہے۔

حضرت مولانا کے ارشادات اور اپنی معروضات پیش کرنے سے پہلے دو ایک باتیں اور بھی عرض کر دی جائیں تو آئندہ گزارشات کو سمجھنا زیادہ آسان ہوگا۔

(الف) عباسی صاحب کی تعبیرات اور ان کے مطالب و الفاظ کو خدا جانے کس ضرورت شرعی اور مصلحت دینی کی بنا پر مولانا کی اس تصنیف میں اس حد تک تبدیل فرما کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے روایت بالمعنی بھی کہنا مشکل ہے۔ البتہ اسے "تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ القائل"[2]

---

[1] لہٰذا سا بھی اثر نہیں پڑا جیسا کہ عباسی صاحب نے اپنے اس شمارے میں شامل جواب میں واضح فرمایا ہے۔ (تجلی)

[2] قول کے ایسے معنی نکالنا جو قائل کا منشا نہ ہوں۔

کہنا غالباً حقیقت سے بعید نہ ہوگا، لیکن مشکل یہ ہے کہ ایسی تغیر اور تعبیر کی اس درجہ تغییر حضرت مولانا کی ذات والا صفات اور ان کے منصب جلیل کے شایان شان کسی طرح نہیں ہوسکتی، اس لئے اس کا قطعی فیصلہ خود حضرت مولانا پر یا ان حضرات پر رکھنا مناسب ہوگا جنہوں نے عباسی صاحب کی کتاب کا واقعی مطالعہ کیا ہو مثال کے لئے مولانا کی کتاب کے صفحات ۱۷ اور ۱۹ اور ۲۳ اور ۲۴ ۲۵ اور ۸۵ و ۱۰۷ و ۱۰۸ و ۱۱۱ ملاحظہ فرمائیے اور ان میں جو کچھ عباسی صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہو اسے عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کیجئے آپ کو تضیع اوقات کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور میری طرح آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ بغیر اس قدر تغیر و تحریف کے عباسی کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرنا کچھ آسان نہیں تھا۔

(ب) حضرت مولانا کی عظمت شان اور منصب جلیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اس قسم کی بدگمانی تو شاید جائز نہ ہو کہ دانستہ طور پر انہوں نے عباسی صاحب کی طرف غلط باتیں بھی منسوب کردی ہیں، بلکہ ان کے ساتھ جو "حسن ظن" ہونا چاہئے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے بیجا تصرفات اور غلط انتسابات کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی جائے کہ شاید حضرت مولانا کے کسی شاگرد و مرید نے عباسی صاحب کی کتاب کا خلاصہ اپنے طور پر پیش کر دیا ہے اور مولانا نے اپنے شایان شان حسن ظن کی وجہ سے اسے لائق اعتماد خیال فرمایا اور اپنے اس "مزعومہ فکری فتنہ" کی تردید ضروری جان کر یہ کتاب تصنیف فرمادی بلکہ کوئی تعجب نہیں کہ ان کو اپنے گوناگوں مشاغل اور طول طویل اسفار کی بنا پر فرصت جواب بھی نہ رہی ہو اور "آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند" کے مطابق مولوی سالم صاحب نے یہ تصنیف لطیف فرمائی ہو اور حضرت مولانا کے زیر ملاحظہ یا زیر سماعت لاکر اسے مولانا کے "حقیقت نگار قلم کا شاہکار دیانت" قرار دیدیا ہو جس کی نظیر "فیصلہ ہفت مسئلہ"[1]

[1] جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے یہ بات شبہ سے بالاتر ہے کہ یہ حضرت مہتمم صاحب ہی کے دست نگارین کا شاہکار ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ماہ گزشتہ کی تنقید کے خاتمہ پر اشارہ کیا تھا اس کا مواد بعض اور حضرات کی کد و کاوش کا رہین منت ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے یہ الزام سخت ہے، ایک علمی کتاب کی ساری قدر و قیمت مواد ہی پر منحصر ہوا کرتی ہے اگر مواد بھی اوروں کا مہیا کردہ ہو تو حضرت کے حصہ میں کیا آیا۔ ہم جواب عرض کریں گے کہ اول تو نئی زمانہ اس طرح کے عمل کو بلیک منگ کے محترم نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور کیڈ ممک قسم کے کاموں میں اس کا چلن عام ہے اس لئے یہ کوئی الزام نہیں ہے لیکن ناشنو مضنف کی عدم وضاحت کے باعث اسے الزام ہی مان لیا جائے تو بہرحال اس کی قباحت اس سے کم ہے کہ کتاب کو حقیقتاً حضرت ہی کی تصنیف مانا جائے۔ اس تصنیف کا مواد اپنے جمع کرنے والے کے علم و تبحر اور صداقت و دیانت کے بارے میں بہت مبتلا تاثر دیتا ہے لیکن اگر مذکورہ بالا الزام اس کے مقابلہ میں غنیمت سمجھنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ (تجلی)

کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جو تصنیف ہے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی مگر منسوب ہے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی طرف)

اگر کسی صاحب کو ہماری یہ گزارش محض تخمین و اندازہ پر مبنی نظر آتے تو وہ ذرا سی محنت سے کام لیں اور عباسی صاحب کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" اور "شہید کربلا اور یزید" کا باہمی مقابلہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیں مجھے پورا یقین ہے کہ میری طرح وہ بھی اپنے کو اسی دوراہے پر پائیں گے کہ یا تو حضرت مولانا نے عباسی صاحب کی کتاب کا پوری طرح مطالعہ کئے بغیر یہ جواب تحریر فرمایا ہے یا دانستہ ان کے مطالب کو الفاظ کی تحریف و تبدیل کے بعد پیش کیا ہے مگر چونکہ یہ دوسری صورت حضرت مولانا کی شان سے بعید بعید ہے اس لئے اگر حضرت مولانا کے منصب جلیل اور ان کی شان علم کا لحاظ ضروری امر ہے تو اس توجیہ کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مولانا کا یہ جواب عباسی صاحب کی تصنیف کا مطالعہ کئے بغیر ہی تحریر فرمایا گیا ہے، بلکہ مولانا کی شان علمی کی قدیم روایات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسے ان کی مستقل تصنیف ہی نہ مانا جائے اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے قسم کی کوئی چیز سمجھا جائے۔

اس تمہید کے بعد مولانا کے فرمودات اور اپنی معروضات نمبر وار عرض ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" صہ ۱۲ پر فرماتے ہیں کہ:

"اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب کے ذہن میں کچھ تاریخی نظریات پہلے سے قائم شدہ موجود تھے جن کے لئے موید ات کی ضرورت تھی تو مفید مطلب تاریخی ٹکڑوں کا مل جانا کوئی عجیب بات نہ تھی، کیونکہ دنیا میں ہر فن کی طرح "تاریخ" میں بھی مختلف اقوال موجود ہیں اس لئے جو حضرات ذہن کو خالی کر کے تاریخ اخذ کرنے کے عادی نہیں ہیں انہیں موافق مطلب اقوال کا مل جانا تعجب انگیز نہیں۔ لیکن اس کا نام تاریخی ریسرچ نہیں اسے نظریاتی ریسرچ کہنا چاہئے"

مولانا کی اس عبارت میں "تاریخ سے نظریات" یا "نظریات سے تاریخ" اخذ کرنے کی جو فلسفیانہ بات پیدا کی گئی ہے وہ دلچسپ ہونے کے باوجود تسامح سے خالی نہیں اور اس تسامح سے قطع نظر اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی تحقیق اور واقعی جواب اور تردید کی بنیاد محض تخمین و اندازہ یا وہم و گمان پر رکھی جاسکتی ہے، اگر نہیں رکھی جاسکتی بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ نہیں رکھی جاسکتی۔ تو مجھے نہایت ادب کے ساتھ یہ عرض کرنے کی اجازت دی جائے کہ حضرت

مولانا کی ساری کتاب اسی قسم کے اندازوں اور تخمینوں کی بنیاد پر قائم ہے پھر یہ کہ اگر کسی درجہ میں ایسی کمزور بنیاد پر جواب کی تعمیر جائز بھی ہو تو کم از کم حضرت مولانا جیسے بلند پایہ محقق و مفکر اور "حکیم الاسلام" کے شایان شان تو کسی طرح نہیں کہا جاسکتا۔ مگر تعجب تو یہ ہے کہ حضرت مولانا کو اپنے اس اندازہ پر اس قدر وثوق و اعتماد ہے کہ اپنے سارے جواب کی بنیاد ہی اس پر قائم فرماتے ہیں اور تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ ایک طرف تو مولانا عباسی صاحب کی تحقیق اور ریسرچ کا مذاق اڑاتے ہیں اور دوسری طرف خود بھی اسی قسم کے نظریاتی اور وجدانی جوابوں سے ان کی تردید بھی فرمانا چاہتے ہیں[1] جس کی مثالیں آئندہ اپنے اپنے موقع پر پیش کی جائیں گی۔

(۲) صلا پر مولانا فرماتے ہیں کہ :۔

"اس ریسرچ کا اثر چونکہ عقائد ملت پر پڑتا ہے اور اس سے مذہب کے کتنے ہی اہم اجزاء مشتبہ ٹھیرتے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ تاریخی پہلو سے زیادہ اسے مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے اور مذہب وعقیدہ واضح کرکے اسی معیار سے اس تاریخ کو رد یا قبول کیا جائے"

حضرت مولانا نے یہ بات بظاہر تو نہایت اہم اور بنیادی تحریر فرمائی ہے، لیکن اس سلسلہ میں ذیلی گزارشیں بھی ملاحظہ فرمائی جائیں تو اندازہ ہوگا کہ بعض باتیں نہایت ہی خوش آئند ہوتے ہوئے بھی حقیقت سے کس قدر دور ہو سکتی ہیں۔ مولانا (اپنے اس دعوے کے باوجود کہ عباسی صاحب کی کتاب میں تاریخ کی واضح اور کھلی تصریحات تک سے اغماض کیا گیا ہے) غالباً تاریخی روایات کو اپنے لئے زیادہ مفید مطلب نہیں پاتے اس لئے مصلحت اور پیش بندی کا تقاضا انہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے تاریخی پہلو سے زیادہ مذہبی اور دینی نقطۂ نظر سے دیکھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس موقع پر اپنا زور قلم کافی صرف فرمایا ہے اور اس کے بعد بھی جا بجا لوگوں کے ذہن کو اسی طرف متوجہ رکھنے کی کوشش فرمائی ہے۔ لیکن آئیے ذرا اس عقیدہ کی بھی حقیقت معلوم کی جائے جس کی تائید کے لئے مولانا نے اس رسوا ئے

---

[1] سچی بات یہ ہے کہ عباسی صاحب نے تو ذوقی و وجدانی دلائل سے بہت کم کام لیا ہے، ہمارے مہتمم صاحب کا سارا دار و مدار ہی ذوق و وجدان پہ معلوم ہوتا ہے۔ ساری کتاب دیکھ جائیے ایک لگے بندھے موروثی تصور کو تاریخی شواہد سے چپکانے کی سعی انہوں نے ذوق و وجدان ہی کے گوند سے کی ہے۔
(تجلی)

زمانہ کتاب "کی تنقید کو اپنا دینی فریضہ تصور فرمایا مگر آپ کو سخت ناکامی کا سامنا ہوگا جب آپ عباسی صاحب کی کتاب میں اس "باطل و غلط عقیدہ" کو تلاش کریں گے جس کی اصلاح کے لئے "جماعت دارالعلوم دیوبند" کے تمام افراد قلم برداشتہ بلا کسی ادنیٰ تیاری کے میدان صحافت میں کود پڑے کیونکہ جہانتک عباسی صاحب کی کتاب کا تعلق ہے اس میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پوری جلالت شان اور کمال احترام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگوئی، بدگمانی اور بدعقیدگی کو قطعاً راہ نہیں دی گئی ہے۔ مثال کے لئے چند جملے حاضر ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

"بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ بالآخر آپ نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت حسین سبط الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعۃ کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں" (خلافت معاویہ و یزید ص۱۲۱ و ص۱۴۹)

ان عبارات کو دیکھنے کے بعد اس وہم کی بھی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ عباسی صاحب کی کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے متعلق کسی بدعقیدگی کا کوئی نشان بھی پایا جا سکے گا۔

اور اگر حضرت مولانا نے عباسی صاحب کے لئے مفروضہ و مزعومہ بدعقیدگی کا استخراج خروج، خطا، سیاسی غلطی، دنیوی غلطی وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمایا ہے تو بڑی بے انصافی فرمائی کیونکہ یہ الفاظ خود مولانا نے بھی اپنی کتاب کے صفحات ۷۹، ۸۵، ۹۸، ۱۰۱ پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ اور ابن خلدون کے اقتباسات میں نقل فرمائے ہیں اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح زبردستی اور بلا وجہ کسی عقیدہ اور مذہب کی حمایت و نصرت کا اعلان واقعی کسی عقیدہ کے تحفظ کی کوشش فرمائی گئی ہے یا مذہب و عقیدہ کی آڑ لیکر دانستہ ایک حق بات کو باطل باور کرانے کی سعی فرمائی گئی ہے۔ خدا نہ کرے کہ واقعہ یہ ہو، ورنہ جماعت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے اگر اس قسم کی خدمات انجام پانے لگیں گی تو پھر دین کا تو اللہ ہی مالک ہے۔

(۳) صلا پر فرماتے ہیں کہ :۔

"لیکن چونکہ یہ ساری محنت ایک خاص نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے اس لئے اس میں تاریخی ریسرچ کے ساتھ ساتھ نظریاتی ریسرچ بھی شامل ہوگئی ہے"

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"یزید کی تبری اس حد تک صحیح ہوتی کہ جو اس نے نہ کیا ہو اسے نہ کیا ہوا ظاہر کیا جائے، لیکن اس حد تک کہ جو اس نے کیا ہے اس کا بھی انکار کر دیا جائے تاریخی تعدی ہے یزید سے اگر فسق اٹھایا جاتا بشرطیکہ اٹھ سکتا ہو تو کوئی حرج نہ تھا لیکن اسے خلفائے راشدین میں شمار کرا دیا جانا تاریخی ریسرچ نہیں بلکہ تاریخ کے علی الرغم وہی نظریاتی ریسرچ ہے"۔

اور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن ان کی (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی) ذات اقدس کو حب جاہ و ہوس اقتدار سے متہم ٹھیرانا تاریخ نہیں بلکہ وہی ذہنی منصوبہ بندی ہے"۔

(شہید کربلا اور یزید ص۸۱)

اس موقع پر بھی مولانا کو عباسی صاحب کے لئے یہ خاص نقطۂ نظر، اور یہ ذہنی منصوبہ بندی کے اپنے وہی پیمانے مفروضہ حوالے ہی یاد آئے اور ناظرین کو دوبارہ "تاریخی ریسرچ"، اور "نظریاتی ریسرچ" کی بھول بھلیوں میں حیران و سرگرداں رکھنا ہی انہیں اچھا معلوم ہوا پھر اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ عباسی صاحب کے کثیر تاریخی حوالوں کے جواب میں ایک مختصر سا لفظ یوں ارشاد فرما دیا کہ "یہ تاریخی تعدی" ہے۔ اگر ہمارے مولانا کے نزدیک عباسی صاحب تاریخی تعدی کے مرتکب اس لئے ٹھیرتے ہیں کہ انہوں نے (بقول مولانا) یزید کے کئے ہوئے کو نہ کیا ہوا ظاہر کیا ہے (درحالیکہ حقیقت یہ ہرگز نہیں ہے) تو براہ کرم مولانا کوئی شائستہ اور مہذب سا دُھلا ہوا فقرہ مجھے بھی بتائیں جسے میں ان لوگوں کے لئے استعمال کر سکوں جو بہت سی "ناگفتہ" باتیں عباسی صاحب کی طرف منسوب کر کے اپنا کوئی ذہنی منصوبہ مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ کس موقع پر عباسی صاحب نے حضرت امام ہمام کی ذات اقدس کو حب جاہ و ہوس اقتدار سے متہم ٹھیرایا ہے؟ عباسی صاحب کی نظر میں حضرت امام ہمام کی جو عظمت ہے وہ کسی حد تک ان جملوں سے مترشح ہوتی ہے جو پچھلے صفحات میں نقل بھی ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ بات تو نہایت وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ عباسی صاحب نے اگر حضرت امام کی ذات والا صفات کی طرف کچھ منسوب بھی کیا ہے تو وہ وہی اجتہادی خطا اور لغزش ہے جس کا امام ہمام کے منافی شان نہ ہونا خود مولانا کو بھی تسلیم ہے جیسا اسی صفحہ، سے مستفاد ہوتا ہے (فرماتے ہیں "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا

اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان کے شان عالی کے منافی نہ ہوتی")۔ نیز اس کے علاوہ ص۸۰ و ص۸۱ پر مقدمہ ابن خلدون کے اقتباسات تو اس سلسلہ میں بالکل صریح ہیں اس لئے عباسی صاحب جس جرم کے واقعی مجرم ٹھیرتے ہیں وہ مولانا کا احسان کا مشترک ہے (بشرطیکہ وہ جرم ہو) رہے وہ الزامات جو عباسی صاحب کے ذمہ مولانا عائد فرمانا چاہتے ہیں تو عباسی صاحب اس سے بالکل بری ہیں۔

اس موقع پر مولانا ہی کے ارشاد کے مطابق کہنا پڑتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے مولانا بھی صرف ردہی فرمانے پر اکتفا فرماتے (بشرطیکہ وہ ممکن ہوتا) لیکن یہ رد عمل جو مولانا کی تحریر سے ظاہر ہے۔۔ دار العلوم کے لئے کوئی نیک فال نہیں ہے ویسے دعا تو اپنی یہی ہے کہ خدا کرے یہ وہم سراسر غلط ہی ہو اور مولانا کی یہ تحریر واقعی تردید نہ ہو بلکہ کسی ہنگامی مصلحت کی خاطر یہ تردید و تنقید عمل میں لائی گئی ہو۔

(۴) ص۱۹ پر "مباحث" کی سرخی قائم فرما کر اس کے تحت فرماتے ہیں کہ:۔

"عباسی صاحب کا مطمح نظر چونکہ یزید کو خلیفہ برحق بلکہ عمر ثانی دکھلا کر اس کا ذاتی اور سیاسی کردار بے عیب ظاہر کرنا تھا"۔

کیا مولانا سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ براہ کرم اس مقام کی نشان دہی فرمائیے جہاں عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی دکھلایا ہے، جہاں تک اپنی کوتاہ نظر پہنچ سکی ہے عباسی صاحب کی کتاب میں کوئی ایسی عبارت نہیں نظر آ سکی جس کی بنا پر اس خلاف حقیقت بات کی تصدیق ہو سکے اور اگر مولانا کا اشارہ البدایہ والنہایہ کے اقتباس کی طرف ہے:۔

قال (یزید) کنت واللہ یا ابتہ عاملا فیھم عمل عمر بن الخطاب فقال سبحان اللہ یا بنی واللہ لقد جھدت علی سیرۃ عثمان فما اطقتھا فکیف بک وسیرۃ عمر۔ (البدایہ والنہایہ ص۲۲۸ ج۸)	(یزید نے کہا واللہ اے ابا جان حضرت عمر بن الخطاب نے جو عمل امت کے ساتھ کیا میں بھی ان کے ساتھ وہی عمل کروں گا تو حضرت معاویہ نے فرمایا سبحان اللہ اے بیٹے میں نے تو واللہ سیرت عثمان کی کوشش کی مگر وہ بھی نہ کر سکا پھر کہاں تم اور سیرت عمر کی پیروی؟ (خلافت معاویہ و یزید ص۵۸)

۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تو سخت تعجب ہے کہ یہ الزام عباسی صاحب کے سر کس جرم میں لگایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کا اصل ملزم تو یزید ہے جس نے ایسی بات منہ سے نکالی یا دوسرے نمبر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملزم ٹھیرتے

ہیں جنہوں نے ایسی بات سن کر کوئی تعزیر نہ کی صرف معمولی تنبیہہ کو کافی سمجھا اور بس کے بعد اگر الزام متعدی ہو تو علامہ ابن کثیر ملزم ٹھیرتے ہیں جنہوں نے یہ مکالمہ البدایہ و النہایہ میں نقل کیا بلکہ اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کیا جائے کہ ہمارے مولانا کا دامن بھی اس الزام سے نہیں بچتا، جنہوں نے اس حوالہ کو غلط ثابت کرنے کی مطلق کوشش نہیں فرمائی۔ ویسے تو عباسی صاحب کی تحقیق و تفحص کو "تاریخی تعدی"، "دور نظریاتی ریسرچ"، وغیرہ کے عنوان سے اکثر یاد فرماتے رہے، لیکن حوالہ کی غلطی نکالنے کی مطلق زحمت نہیں فرمائی۔ ساری کتاب میں حوالہ کی صرف ایک غلطی پیش فرمائی مگر وہ بھی ایسی نہیں کہ اس کی وجہ سے بقیہ تمام حوالے بیکار ہو جائیں۔[1]

(۵) صفحہ ۷۵ پر منقولہ بالا عبارت کے ساتھ فرماتے ہیں:-

"تو اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے مد مقابل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ذاتی اور سیاسی کردار کے لحاظ سے پست اور اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے معاذ اللہ غدار ثابت کیا جاتا اس لئے انہوں نے اس میزان کے دو پلوں میں ان دو کو تُلا کر یزید کا پلہ تو اخلاقی و عملی خوبیوں سے وزن دار بنا کر جھکا دیا اور حسینؓ کا پلہ فضائل و مناقب اور عام اخلاقی و عملی خوبیوں سے خالی اور بے وزن دکھلا کر اوپر اٹھا دیا تاکہ امت کا وہ ذہن بدل جائے جو اب تک اس کے برعکس قائم شدہ تھا۔"

سوال یہ ہے کہ اگر عباسی صاحب نے یزید کو خلیفہ برحق ثابت کرنے کے لئے اس کا ذاتی و سیاسی کردار بے عیب دکھایا تھا تو حضرت مولانا نے اس سے یہ نتیجہ کس طرح نکالا؟ اگر مولانا ان مقدمات کو باقاعدہ ترتیب دیکر نتیجہ کا استخراج فرماتے اور مدح یزید و قدح حسین کے درمیان لزوم واقعی کو بھی ثابت فرماتے تو شاید ہم جیسے طالب علموں کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوتا ورنہ مولانا کی دلیل تو کچھ اس قسم کی ہے کہ[2] "چونکہ مدح یزید مستلزم ہے قدح حسین کو اور عباسی نے مدح یزید کی ہے۔" لہٰذا نتیجہ یہ نکلا

[1] ہم کہتے ہیں مہتمم صاحب کی نکالی ہوئی حوالے کی یہ ایک غلطی بھی فیصلہ کن نہیں ہے۔ (تجلی)

[2] یہ منطق کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح "دن" کہنے کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ سورج نکلا ہوا ہے اسی طرح اگر یزید کی تعریف کا لازمی مطلب یہ ہوتا کہ حضرت حسینؓ برے قرار پا جائیں جب تو مہتمم صاحب کا الزام درست ہو سکتا تھا لیکن ظاہر ہے کہ یزید کی تعریف اور حضرت حسینؓ کی مذمت میں دن اور سورج والا ربط نہیں ہے اس لئے الزام میں کوئی جان باقی نہیں رہتی۔ (تجلی)

کہ عباسی نے قدح حسین کی ہے، لیکن مولانا غالباً دوسروں کا یہ حق تو سلب نہ فرمائیں گے کہ کوئی طالب علم عرض کرے کہ مولانا آپ کے اس قضیہ میں مقدم بالکل فرضی و نظری ہے اس لئے براہ کرم اس استلزام لزوم کو ثابت فرمایئے ورنہ اس کی حقیقت ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہے جو آپ جیسے جلیل القدر حقیقت نگار، حکیم الاسلام کی شان کے منافی ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں مولانا نے عباسی صاحب کی ترازو اور اس کے پلوں کو جھکا دینے اور اٹھا دینے کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے بظاہر ان کی تحریر ودنی تو مزوں نظر آنے لگی، لیکن اس وقت کیا ہوگا جب کوئی اللہ کا بندہ ان اعتراضات کو عباسی صاحب کی کتاب میں تلاش کرنا چاہے گا اور اپنی ناکامی پر وہ یہ خیال کرے گا کہ مولانا نے جس ترازو سے عباسی صاحب کی کتاب کو تولا ہے اس میں کچھ پاسنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور ان کی یہ تنقیدی میزان ہی غلط تھی ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ تو عباسی صاحب نے کوئی پلہ جھکایا ہے نہ اٹھایا ہے، پھر یہ کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کی شخصیت جب اس قدر ممتاز ہے تو ان کی شان عالی کسی کے پلہ جھکانے سے کیا کم ہو جائے گی؟ ہاں یزید کی پوزیشن ضرور کچھ خفا میں تھی جس کے پردے عباسی صاحب نے اٹھانے چاہے تھے اگر یہ نہیں تو پھر بغض معاویہؓ کی یہ کونسی قسم ہے جس کا شکار حضرت مولانا جیسے مقدس حضرات بھی ہو گئے اور یزید کی براءت ان کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

(۶) صفحہ ۳۲ پر مولانا فرماتے ہیں کہ:-

"سو معروضات ذیل پر نظر ڈالئے جس سے اولاً صحابیت حسین کے مسئلہ پر روشنی پڑے گی جس کی نفی عباسی صاحب کا پہلا منصوبہ ہے۔"

ہمارے مولانا کو اپنے منصوبہ کے مطابق عباسی صاحب کے لئے "منصوبہ بندی" وغیرہ الفاظ کی تکرار خدا جانے کیوں ضروری معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بحث بھی "پہلا منصوبہ" کے عنوان سے شروع فرمائی ہے جو صفحہ ۳۲ سے صفحہ ۷۲ تک ۴۰ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کو نہایت محدثانہ و مفسرانہ انداز سے ثابت فرمایا ہے لیکن بنیادی کمزوری سے یہ مبحث بھی خالی نہیں۔ یعنی ایک تو زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ الزام عائد کرنا ضروری خیال فرمایا کہ عباسی صاحب حضرت حسینؓ کی صحابیت کے قائل نہیں، حالانکہ عباسی صاحب نے جس موقع پر صالح بن احمد بن حنبل کی روایت پیش کی اس کا مقصود صرف اسی قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ زمانہ حیات نبوی میں ایسے صغیر السن تھے کہ بعض حضرات نے ان کے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی صحابی کے بجائے تابعی کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انداز

کلام ہرگز یہ ظاہر نہیں کرتا کہ عباسی صاحب بذات خود بھی ان کی صحابیت کے منکر ہیں یا ان کی صحابیت کا انکار ان کا کوئی خاص ذہنی منصوبہ ہے۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تابعیت کے لئے جو حوالہ نقل کیا ہے، مولانا نے اس کا مذاق اڑانے کی تو کافی کوشش فرمائی لیکن اس کی تغلیط آخر تک نہیں فرمائی جس کا نتیجہ یہی تو سمجھا جائے گا کہ حضرت حسینؓ یا ان جیسے صغیر السن حضرات کے بارے میں حضرات محدثین مختلف ہیں بعض انہیں صحابی مانتے ہیں اور بعض تابعی کہتے ہیں۔ ایک قول مولانا نے اختیار فرمایا اور دلائل سے اسی کو راجح قرار دیا (جس کا انکار عباسی صاحب کو بھی نہیں ہے) دوسرا قول وہ ہے جسے ضمناً عباسی صاحب نے ایک مقام پر نقل کر دیا ہے (اگرچہ وہ بھی اسے قابل ترجیح نہیں قرار دیتے) اگر عباسی صاحب کی یہ حرکت اس قدر گمراہ کن تھی جیسا کہ مولانا کے ۴۸ صفحات کی تفصیل کا تقاضا ہے تو ضرورت تھی کہ مولانا یا تو عباسی صاحب کے حوالہ کو غلط ثابت فرماتے یا حافظ ابن کثیر اور امام احمد کے صاحبزادے "صالح" کی بھی اسی طرح خبر لیتے کہ آخر کس منصوبہ کے تحت انہوں نے سید نا حسین رضی اللہ عنہ کی "ام الفضائل" یعنی صحابیت کو ان سے مسلوب کرنے کی غیر صالح کوشش کی۔

اس موقع پر یہ لطیفہ بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ مولانا نے عباسی صاحب کے اس اقتباس کی تنقید و تردید میں کافی زور قلم صرف فرمایا ہے، جس میں بقول مولانا عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کی عمر کا بیان کرتے ہوئے البدایہ کے ترجمہ میں پانچ کے ساتھ "صرف" کا لفظ بھی بڑھا دیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبہ تنقید مولانا پر کچھ اس طرح مستولی ہوا کہ مولانا نے دانستہ یا نادانستہ یہ اعتراض تو بالکل زبردستی عباسی صاحب کے ذمہ عائد فرما دیا ورنہ عباسی صاحب کی کتاب میں بدایہ کا جو اقتباس ہے وہ بھی صحیح ہے اور اس کا ترجمہ بھی صحیح ہے۔ اس لئے عباسی صاحب کی کتاب میں کسی موقع پر پانچ کے ساتھ "صرف" کا اضافہ تحریف کسی طرح نہیں کہا جا سکتا جبکہ اسی کتاب میں حضرت حسینؓ کی عمر کے لئے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں "اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی عمر وفات نبوی کے وقت پانچ برس کے قریب تھی" (خلافت معاویہ و یزید ص۱۷)

(۷) صفحہ ۴۹ پر فرماتے ہیں کہ:-

"سوان (عباسی) کا خلجان رفع ہو سکتا تھا اگر وہ تاریخی ریسرچ کے سلسلہ میں کفایۃ الخطیب کی حسب ذیل عبارت بھی پڑھ لیتے جس میں خطیب بغدادی "صحابیت" کے لئے بیس سال کی عمر کی شرط کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں"

اس تمہید کے بعد خطیب کی وہ عبارت نقل کی گئی ہے جیسے مولانا عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے پیوند کے لئے تجویز فرما رہے ہیں مگر لطف یہ ہے کہ خطیب کی وہ ساری عبارت ہی دوسرے موضوع سے تعلق رکھتی ہے، یعنی علامہ خطیب کا کلام "صحابیت" کے سلسلہ میں نہیں ہے بلکہ "حدیث کی روایت و سماع" سے متعلق ہے ان کا کہنا صرف یہ ہے کہ حدیث کی روایت و سماع کے لئے جن لوگوں نے بیس سال عمر ہونے کی قید لگائی ہے وہ غلط ہے۔ لیکن ہمارے مولانا بڑی فراخ حوصلگی سے اس عبارت کو روایت حدیث کے سلسلۂ موضوع سے علیحدہ کاٹ کر "نفس صحابیت" کے سلسلہ میں سمجھ کر انتہائی طمانیت و انشراح کے ساتھ اس کے یہ جملے بھی نقل فرما گئے۔

ولو كان السماع لا يصح الا بعد العشرين سقطت رواية كثير من اهل العلم سوى من هو فى عداد الصحابة ممن حفظ عن النبى صلى الله عليه وسلم فى الصغر فقد روى الحسن بن على بن ابى طالب عن النبى صلى الله عليه وسلم ومولده سنة اثنين من الهجرة۔ (الكفاية ص۵۵)	اور اگر حدیث کی روایت کے لئے سماعت حدیث بیس ہی برس کی عمر کے بعد معتبر مانی جائے تو بہت سے ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے جو حضرات صحابہ کی تعداد کے علاوہ ہیں یعنی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صغر سنی میں روایتیں محفوظ کی ہیں مثلاً حضرت حسن بن علی بن ابی طالب جن کی پیدائش ۲ھ[1] کی ہے (شہید کربلا اور یزید ص۴۹)

اس عبارت کو اس کے صحیح ترجمہ کے ساتھ (جیسا کہ احقر نے پیش کیا ہے) جو کوئی بھی دیکھے گا وہ لامحالہ مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے گا۔

(الف) یہ عبارت روایت حدیث کے لئے سن و سال کی تحدید و تعیین سے متعلق ہے۔

(ب) اس میں نفس صحابیت کے لئے کسی عمر کی شرط کرنے یا نہ کرنے کا مطلق ذکر نہیں ہے

(ج) بیس سال کی عمر کو شرط نہ قرار دینے کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خطیب اس سلسلہ میں بالکل آزادی اور چھوٹ دے رہے ہیں۔

(د) اس عبارت میں یہ توضیح کہ "اگر بیس سال کی عمر کی قید رکھی جائے گی تو ان اہل علم کی روایت ساقط الاعتبار ہو جائے گی جو حضرات صحابہ کے علاوہ ہیں۔ مثلاً حضرت حسن بن علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ

---

[1] حضرت حسنؓ کی ولادت عام طور سے ۳ھ کی بیان کی گئی ہے نہ کہ ۲ھ کی۔

علیہ وسلم سے روایت کی ہے درانحالیکہ ان کی پیدائش ۳ھ کی ہے"۔ حضرت حسنؓ کے صحابی نہ ہونے کی ایسی تصریح ہے جس کے بعد اس عبارت کو انکی صحابیت کے لئے پیش کرنا اور نہ صرف پیش کرنا بلکہ طنز کے ساتھ اس کو عباسی صاحب کی "تاریخی ریسرچ" کے لئے پیوند بنانے کا مشورہ دینا ہر ایک کا کام نہیں ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے مقولہ مشہور "نقل را چہ عقل" کے بالکل خلاف نقل میں بھی عقل سے کام لیتے ہوئے اس عبارت کو اپنے موافق بنا کر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ان کی کتاب میں اس کا ترجمہ ملاحظہ فرما کر احقر کے ترجمہ سے مقابلہ کیجئے تو یہ گتھی سلجھ جائے گی اور آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مولانا نے مندرجہ بالا عبارت کے ترجمہ میں "(یعنی وہ حضرات)" کے بعد خطیب کے منشاء کے خلاف "صحابہ" کا لفظ قصداً بڑھا دیا۔ کیونکہ بغیر اس کے وہ حضرت حسنؓ کی صحابیت خطیب کی اس عبارت سے نہیں ثابت فرما سکتے تھے، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کے خیال میں جب حقیقت یہ ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے قرآن و احادیث کے دلائل کے علاوہ محدثین کی تصریحات اس قدر موجود ہیں جن کے انکار کی گنجائش نہیں ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن و حدیث کی صاف و صریح دلیلوں کو چھوڑ کر دور از کار مفسرانہ و خطیبانہ موشگافیوں کے لئے اپنا زور قلم صرف فرمایا اور کس لئے اس مبحث کو اس قدر طول دیا اور عباسی صاحب کی کتاب میں "صرف" کا اضافہ (درحالیکہ وہ کسی عبارت کے ترجمہ میں نہ تھا) خود ان کو تو اس قدر ناگوار ہوا کہ محض "صرف" کے سلسلہ میں سات آٹھ صفحات تحریر فرمائے، مگر جب اپنا موقع آیا تو خطیب کی عبارت کے ترجمہ میں "صحابہ" کا لفظ بڑھا دیا۔ آخر اس تبدیل و تحریف کی کیا ضرورت تھی؟

عباسی صاحب کے لئے پہلا منصوبہ فرض کر کے مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سلسلہ میں اس سے زائد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ واقعہ یہی ہے کہ محدثین کے نزدیک صغیر السن افراد کی صحابیت کا مسئلہ اختلافی ہے۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب نے نہ تو صحابیت حسین کا انکار کیا ہے اور نہ ان کی نفی صحابیت کا ذکر قصداً کیا ہے۔ ملاحظہ ہو عباسی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اس طرح گو طبقہ کے لحاظ سے بعض نے ان کا شمار صغار صحابہ میں کرلیا ہے مگر ان کبار صحابہ کے مقابلہ میں ان حضرات کو نہیں رکھا جا سکتا"۔

(خلافت معاویہ و یزید ص۳۰)

اس لئے نفی صحابیت کی منصوبہ بندی کا الزام بھی منصوبہ بندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عباسی صاحب ان کو بہرحال (بفرض محال غیر صحابی مانتے ہوئے بھی) جزو رسول اور پاک باطن، پاک نیت مانتے ہیں۔

اس لئے عباسی صاحب کی تحریر کو خدا و رسول کا معارضہ قرار دینا" اسے "کالائے بد" کا مصداق قرار دینا، اس کی تنقید کے لئے "تخمینی و نظریاتی ریسرچ" کے طنز کا سہارا لینا اگر باطل کوشی نہیں ہے تو حق پوشی کے مرادف ضرور ہے جس کے لئے "جماعت دار العلوم دیوبند" کی یہ پیش قدمی اور ان کی تحقیقات کا یہ گنج گرانمایہ ہم جیسے عقیدت مندوں کے لئے باعث حیرت و تعجب ضرور ہوگا ع

چوں رفض از دیوبند خیزد کجا ماند مسلمانی

(۸) صفحہ ۲۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بطور عقیدہ کے اس پر ایمان لانا پڑے گا کہ سیدنا امام حسینؓ بوجہ صحابی ہونے کے متقی عدول، پاک باطن، صاف ظاہر محبت جاہ و مال سے بری، ہوس اقتدار سے بالاتر اور تمام رذائل نفس سے پاک تھے جو ان مقدسین سے بنص کتاب و سنت دھو دئے گئے تھے اور اس کی بناء پر ان کی قلبی تطہیر اور رجس و نجس باطن سے پاکی اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے کیونکہ خدائے برتر نے اہل بیت کی تطہیر کا خصوصی ارادہ ظاہر فرمایا:۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا	اے (نبی کے) گھر والو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے آلودگی کو دور رکھیں اور تم کو پاک صاف رکھیں

(سورۂ احزاب رکوع ۴)

اور احادیث صحیحہ[۱] اس پر شاہد ہیں جیسا کہ گذرا کہ حضرت حسینؓ اہل بیت میں شامل ہیں اور اس آیت

---

[۱] مہتمم صاحب کے اس ارشاد پر جس پہلو سے رومی صاحب نے گرفت فرمائی ہے، وہ بھی اپنی جگہ اہم ہے، لیکن ہم سے پوچھئے تو اس آیت کے مصداق میں حضرات حسنین اور علی و فاطمہ رضوان اللہ علیہم کو شامل کرنا جن روایات کے ذریعہ مسلم اور حق سمجھ لیا گیا ہے وہ بلا استثناء سب کی سب لائق نظر ہیں۔ کسی کے محض دعویٰ کر دینے سے کوئی حدیث "حدیث صحیحہ" ثابت نہیں ہو جاتی۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ سورۂ احزاب کی اس آیت تطہیر کے ذیل میں بطور تفسیر جتنی بھی روایتیں غیر ازواج کو شامل کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہیں ان کے سلسلۂ اسناد میں کوئی نہ کوئی کوفی یا شیعی راوی ایسا ضرور موجود ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر اور امام ذہبی جیسے ائمہ فن نے عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ان ائمہ کے نقد و احتساب سے تو ہمارے دار العلوم کے اساتذہ بھی انکار نہیں کر سکتے، انہیں قابل اعتماد قرار دیں تو فن رجال اور علم حدیث میں رہ کیا جاتا ہے۔ تب بتائیے مہتمم صاحب نے بہ طلاحی روایات کو "احادیث صحیحہ" کا نام دیا ہے وہ اگر ابن حجر اور ذہبی جیسے ناقدین ہی کی نظر میں بھروسے کے قابل نہ ہوں تو وہ صحت کی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے مصداق میں داخل اور اللھم ھولاء اھل بیتی فطھرھم تطھیرا میں شامل ہیں؟

مولانا نے خدا جانے کیوں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آیۂ تطہیر کا مصداق ثابت کرنے اور ان کا اہل بیت ہونا قرآن سے بھی منصوص ہونے پر بڑا زور قلم صرف فرمایا۔ اسی بنا پر اس بحث کو صد۴۲ صد۴۳ میں لکھ چکنے کے بعد یہاں پھر دہرایا ہے، لیکن افسوس ہوتا ہے کہ عباسی صاحب کے خلاف مولانا کی یہ غیرت دینی کس قسم کی تھی جس کی بنا پر وہ اپنی تصنیف میں تحریف وتبدیل مغالطہ و مبالغہ، تخلیط وتلبیس سب ہی کچھ کرنے پر آمادہ ہیں، چنانچہ اس مبحث میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خاصی تخلیط وتلبیس پر مشتمل ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو شاید مولانا خود ہی کچھ غلط فہمی میں مبتلا

(حاشیہ بسلسلۂ گزشتہ) کیا قیمت رہ جاتی ہے۔ ہم اس وقت صرف نوٹ لکھ رہے ہیں اس لئے ایک ایک روایت پر تفصیلاً نقد نہیں کرسکتے پھر ہمیں چونکہ حضرات حسنین کے اہل بیت ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں ہے نہ اس سے اصل بحث پر کوئی اثر پڑتا ہے اس لئے رد وقدح سے صرف نظر کرتے ہیں۔ بس اتنا ضرور کہیں گے کہ ناظرین ذرا کسی مترجم قرآن میں یہی نقل شدہ آیت تطہیر آگے پیچھے سے پڑھ لیں پھر سوچیں کہ اس کے مصداق میں غیر ازواج کو شامل کرنا کس حد تک قرین قیاس ہے۔ رہا مہتمم صاحب کا یہ دعویٰ (جسے انہوں نے متعدد بار دہرایا ہے) کہ صحابی ہونا ہی اس بات کو مستلزم ہے۔ آدمی کا سینہ حبّ جاہ ومال، حبّ اقتدار اور تمام رذائل نفس سے پاک ہوگیا تو یہ ہمارے خیال میں مبالغے سے خالی نہیں۔ اسلام کے پورے چودہ سو برسوں میں چند عالم بھی ایسے نہیں جنہوں نے اس قدر توسع اور تعمیم کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو۔ جن روایات پر خود مہتمم صاحب کو اعتماد ہے انہی میں بے شمار روایات ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابیت آدمی کو نفس امارہ کی زد سے بالکل ہی باہر نہیں لیجاتی۔ بہت سے صحاب ایسے گزرے ہیں جن کے اندر حب جاہ۔ حب مال، نسلی عصبیت اور اسی طرح کے غیر صالح رجحانات میں سے کوئی نہ کوئی رجحان کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہ گیا ہے اور ان کی مجموعی زندگی میں اس رجحان کی چھاپ کہیں نہ کہیں ضرور ملتی ہے۔ یہ بیشک بجا ہے کہ عدم عصمت کے ان داغ دھبوں پر ہم اخلاف کو ادب واحتیاط سے گفتگو کرنی چاہئے اور یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ ان کی برائیوں کو ان کی اچھائیاں بہالے گئیں۔ لیکن سرے سے واقعات ہی کا انکار کر گزرنا مناسب بات نہیں ہے۔ آخر ان صحابیوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جنہیں رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی مختلف معاصی پر آئینی سزائیں ملی ہیں۔ بہت کہہ سکتے ہیں کہ ان سے معصیت محض فوری جذبے میں صادر ہوئی پھر وہ اس سے اس طرح تائب ہوئے کہ ارشاد رسولؐ کے مطابق نوزائیدہ بچے کی طرح معصوم ہوگئے ٹھیک ہے لیکن اس سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ معصیت کرنے کی صلاحیت ان میں باقی تھی اور کسی بھی حالت میں سہی وہ بہرحال گناہ کر گزرے ۱۲ (تجلی)

ہیں یا کم سے کم ناظرین ہی کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے اس مقام پر ایسی شکل پیدا ہوگئی جس کو تلبیس سے ممتاز کرنا دشوار ہے۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا ترجمہ پہلے ملاحظہ فرمالیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الآیہ ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ وحسن وحسین رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان کو اپنی کملی میں ڈھانپ لیا حضرت علیؓ آپ کے پیچھے کھڑے تھے پھر آپؐ نے فرمایا اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا (اے اللہ یہ لوگ بھی تو میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی رجس دور فرما دیجئے اور ان کو بھی خوب پاک وصاف فرما دیجئے) حضرت ام سلمہ بولیں "اے اللہ کے نبی میں بھی ان کے ساتھ شامل ہوں؟" تو آپ نے فرمایا کہ "تم اپنی جگہ پر ہی رہو تم تو بھلائی پر ہو۔" (یعنی تم کو تو یہ دولت بغیر مانگے مل چکی ہے اور اس آیت کا اصل مصداق تو تم ازواج ہی ہو) اب سنئے! آیت قرآنی میں اھل البیت کا مصداق صرف امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات ہیں کیونکہ قرآن شریف میں اس موقع پر کئی آیات اوپر سے ازواج مطہرات ہی کا ذکر چلا آرہا ہے۔ ہاں چونکہ نزول آیت کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ وحضرات حسنین وعلی رضی اللہ عنہما کو اپنی چادر مبارک میں جمع فرما کر ان حضرات کو بھی "یہ اہل بیت" فرمایا اور ان کے لئے بھی اسی تطہیر کی دعا فرمائی جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ازواج مطہرات کو بغیر مانگے مل رہی تھی۔ اس لئے اس حدیث کی بنا پر حضرات حسنین کو بھی یقیناً اہل بیت کہا جاسکتا ہے لیکن یہ اطلاق بمصداق حدیث ہوگا بمصداق قرآن نہیں ان کو آیت قرآنی کا مصداق قرار دینا مولانا کی جسارت یا تغلیط ہے جسے ان کی شان کو مد نظر رکھتے ہوئے بڑی جسارت کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔

(۲)

ص۴۰ پر مہتمم صاحب بدوسرا منصوبہ ؛ کے زیر عنوان فرماتے ہیں کہ :۔

"سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و جرأت اور ہمت و شجاعت قلب کا سب سے بڑا ظہور اسی واقعہ کربلا سے ہوا ہے کہ جس چیز کو وہ حق سمجھ چکے تھے اس پر جان دینی گوارا کی، مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا اور باوجود بے یاری و مددگاری یکہ و تنہا باطل کے مقابلے میں آگئے اور شہادت عظمٰی کے مقام پر جا پہنچے"

مولانا کی یہ عبارت پڑھ کر خدا جانے کیوں اس جگہ اس مشہور شعر کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے جو ایسے موقع کے لئے نہایت موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ یعنی ؎

سر داد و نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

اگر مولانا نے اس شعر کو محض اس لئے نظر انداز فرمایا کہ اس میں کوئی جدت نہ تھی تو مولانا کو اپنا یہ پیرا سارا کا سارا قلم زد فرما دینا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس میں حضرات "ذاکرین" و "واعظین" کے سڑے بُسے جملوں کی تکرار محض کے سوا اور کچھ نہیں ہے، لطف یہ کہ یہ بحث ایسی ہے جس میں مولانا کو اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے کوئی مبہم سا اشارہ بھی نہیں مل سکتا۔ اس کے لئے مولانا کو بہر حال صرف تاریخ کی طرف رجوع فرمانا ہوگا، جہاں ان کو حضرت "امام ہمام" رضی اللہ عنہ کی وہ سہ گانہ شرائط بھی ملیں گی جن کو پیش کر دینے کے بعد حضرت کے لئے باطل کے آگے (اگرچہ وہ واقعۃً باطل ہی نہ تھا اور نہ حضرت وہ شرائط پیش ہی نہ فرماتے) سر نہ جھکانے یا حق کے لئے جان دیدینے کا کوئی سوال ہی نہیں رہ جاتا۔ باقی رہی "شہادت عظمٰی"! تو اس کا سوال اس کے بعد کی چیز ہے۔

اگر راقم الحروف کی گمنامی کے باعث مولانا اس کی معروضات پر توجہ فرمانے کے لئے تیار نہ ہوں تو کوئی مضائقہ بھی نہیں، احقر کے لئے یہ بات کچھ کم ابتہاج و مسرت کا باعث نہیں ہے کہ مولانا کے جد بزرگوار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو تسلیم فرمانے کے لئے بالکل تیار ہیں جیسا

کہ ہمارے مولانا اپنی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے ص۹۹ و صفحہ ۱ پر ان سے نقل فرما رہے ہیں، بلکہ ان کے حکیمانہ جملوں کو قرآن و حدیث کے اصول اور ائمہ ہدایت کے کلام کا نچوڑ قرار دے رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو حضرت نانوتوی فرماتے ہیں :۔

وازیں در گذشتیم اگر موجبات جہاد نبودند او شان نیز از قصدی جہاد باز آمدہ می خواستند کہ براہ خود روند لشکریان یزید پلید نگذاشتند و محاصرہ کردہ ظلماً شہید ساختند من قتل دون عرضہ و مالہ فہو شہید۔

شہید کربلا اور یزید صفحہ ۹۹ و ۱۰۰

.. ..
.. ..
.. ..

ہم اسے بھی چھوڑتے ہیں اگر موجبات جہاد بھی موجود نہ تھے تو حضرت امام بھی تو جہاد سے رُک کر یہ چاہتے تھے کہ ان کا راستہ نہ روکا جائے وہ یہاں سے کہیں بھی نکل جائیں انہیں نکل جانے دیا جائے مگر یزید "پلید" کے فوجیوں نے انہیں نہ چھوڑا سارے راستے روک لئے گھیرے میں لے کر شہید کر دیا تو (نص حدیث) جو اپنی آبرو اور مال بچاتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے (تو اس شہادت میں حرف زنی کی گنجائش کیا ہے)

اب مولانا خود فیصلہ فرمائیں کہ اس طرح "شہادت عامہ" ثابت کرنے کے بعد اس بلند بانگ "شہادت عظمٰی" کے دعوے کا کیا حشر ہوا اور ایسی صورت میں واقعہ کربلا کو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و جرأت اور ہمت و شجاعت قلب کا مظہر آپ کس طرح قرار دیں گے۔ کیونکہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ تو حضرت "امام" کے لئے یہ "قصدی جہاد" (وقصد جہاد) سے رجوع فرمانے کا اقرار فرما رہے ہیں۔ آخر یہ تضاد بیانی کیوں ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اتفاقاً ایک جگہ ہو گئی ہو، بلکہ اس کی مثالیں اور بھی موجود ہیں جیسا کہ آئندہ اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے بھی اپنے "نظریہ و منصوبہ" کی تائید میں جس کتاب کا جو بھی ٹکڑا پا لیا ہے اسے اس کے موقع پر فٹ کر دیا ہے۔ اب یہ بات دوسری ہے کہ ان کو آپس میں ملانے سے کسی قسم کا تضاد پیدا ہو جائے۔

(۱۰) اسی ص۴۰ پر فرماتے ہیں کہ :۔

لیکن اسی کو عباسی صاحب نے "بغاوت" کا عنوان دے کر ان کا سب سے بڑا عیب شمار کرانے اور اس ادنچی حسنہ کو قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ایک نیچی قسم کی سیئہ دکھلا کر دا غدار بنانے کی سعی کی ہے"

چند سطروں کے بعد :۔

لیکن اس سلسلہ میں جہانتک الزام بغاوت یا نفی شہادت کا تعلق ہے اس کے بارے میں سلف اور متقدمین کا جو کچھ نقطۂ نظر ہے اس کے لئے ملا علی قاری شرح مشکوٰۃ شریف کی یہ ایک ہی عبارت کافی ہو سکتی ہے جو علاوہ مؤثق نقل ہونے کے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بھی ہے۔ شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

واما ما تفوہ بعض الجھلۃ من ان الحسین کان باغیا فباطل عند اھل السنۃ والجماعۃ ولعل ھذا من ھذیانات الخوارج الخوارج عن الجادۃ
(شرح فقہ اکبر صـ۸۷)

اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حسینؓ باغی تھے تو وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خوارج کے ہذیانات ہیں جو راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔
(شہید کربلا اور یزید صـ۲۶)

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کی اس جواب دہی کو "سوال از ریسماں جواب از آسماں" سے کس طرح ممتاز کیا جائے؟ ملا علی قاری نے حضرت حسینؓ کے باغی ہونے کو خوارج کے ہذیانات کا نتیجہ بتایا ہے۔ مگر مولانا اس سے عباسی صاحب پر بھی الزام قائم کرتے ہوئے ان کو بھی اس جرم میں خارجی گردانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے بعض اقوال صحابہ اور عبارات مورخین سے نقل کرتے ہوئے حضرت امام کے لئے لفظ "خروج" استعمال کیا تھا، حالانکہ یہ لفظ خود ہمارے مولانا نے بھی ابن خلدون اور شاہ عبدالعزیزؒ کے کلام میں نقل فرمایا ہے، لیکن یہ تقاضائے انصاف غالباً یہ فرق مولانا نے ملحوظ رکھا ہے کہ خود مولانا کی کتاب میں جہاں جہاں "خروج" کا لفظ آئے تو وہ اچھی قسم کی حسنہ ہے جہاں جہاں عباسی صاحب نے نقل کیا ہے، وہاں ایک نچی قسم کی سیئہ اور بغاوت کا مرادف ہے۔ حالانکہ عربی کا ایک معمولی طالب علم بھی "خروج و بغاوت" کے درمیانی فرق سے اچھی طرح واقف ہے وہ جانتا ہے کہ "خروج" ایک ایسا لفظ ہے جو محل حسن اور محل قبیح دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے جس کسی نے بھی یہ لفظ استعمال کیا ہے محل حسن میں استعمال کیا ہے بخلاف لفظ بغاوت کے کہ اس کا محل علم طور پر قبیح ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف کے غیر باغ ولا عاد کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ لہٰذا ملا علی قاری کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہوا کہ "حضرت حسینؓ کو باغی (خواہش نفس کا پیرو) کہنا خوارج کے ہذیانات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عبارت کی معمولی سی زد بھی عباسی صاحب پر نہیں پڑتی کیونکہ انہوں نے بغاوت کا الزام حضرت حسینؓ کے سر لگایا ہی نہیں۔ ہاں خروج کا لفظ ضرور استعمال کیا ہے سو اگر اس کے استعمال کی ممانعت میں بھی کوئی دلیل ہو تو اسے پیش فرمانا چاہئے مگر وہ کس طرح ممکن ہے

جبکہ واقعہ یہ ہو کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

الغرض یہ حشر ہوا ملا علی قاری کی اس عبارت کا جس کو مؤثق نقل اور عقیدۂ اہل سنت فرما کر ناظرین کو زبردستی مرعوب فرمانے کی "غیر طیب" کوشش کی گئی تھی۔

(۱۱) صـ۶۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ پر "بغاوت" کا جرم عائد کرنے کے لئے تاریخی نقل اور وہ بھی دوزی کی پیش کی تھی حالانکہ یہ نقل اگر مسلم مورخین کی بھی ہوتی تب بھی عقیدہ اور متکلمانہ نقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی جس پر عقائد کی بنیاد رکھی جاتی ہے"

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آخر مولانا کے قلم سے بھی (جو تغیر الفاظ اور تبدیل معانی کا بری طرح خوگر تھا) یہ حقیقت ٹپک ہی پڑی کہ عباسی صاحب نے بذات خود بغاوت کا لفظ اپنی تحریر میں استعمال نہیں کیا، بلکہ ایک غیر مسلم دوزی کے اقتباس میں یہ لفظ مستعمل ہو گیا ہے جسے پڑھ کر مولانا کی غیرت دینی اس درجہ مشتعل ہو گئی کہ اس ایک لفظ کی تردید کے لئے تقریباً ۳۰ صفحات تصنیف فرما دئے ورنہ خروج کا استعمال تو ان کے لئے قابل برداشت تھا۔

اس موقع پر مولانا نے اپنی عبارت میں "عقیدہ" کے ساتھ "متکلمانہ نقل" کا بھی ایک "ذنابہ" (دم چھلا) استعمال فرمایا ہے، ناظرین نے شاید اس طرف توجہ فرمائی ہو گی کہ اس کی کیا وجہ ہے سنئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا لفظ "عقیدہ" کے مفہوم اور اس کے وزن سے نا واقف نہیں ہیں ان کو اس کا صحیح اندازہ ہے کہ وہ اپنی تحریر میں ایسی غیر بنیادی باتوں کو عقیدہ کہہ کر لوگوں کو مرعوب و خائف تو کر سکتے ہیں مگر واقعتاً اس کو عقیدہ ثابت نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے پیش بندی کے طور پر عقیدہ کے ساتھ متکلمانہ نقل کا ذنابہ بھی چھوڑ دیا تاکہ ثبوت کے وقت اگر وہ عقیدہ ہونے کا ثبوت فراہم نہ فرما سکیں (اور ظاہر ہے وہ ایسا نہ فرما سکیں گے) تو کم از کم کوئی متکلمانہ نقل تو پیش ہی کر دیں گے، جس کے لئے "تفتازانی" جیسے متکلمین ان کو مل جائیں گے جن کے کلام میں ملا علی قاری کو "رفض" کی بو محسوس ہوتی اور انہوں نے فرمایا فیہ رائحۃ من الرفض (اس میں تو رفض کی بو بری طرح محسوس ہوتی ہے)

(۱۲) چند سطروں کے بعد اسی صـ۶۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو "باغی" کہنے کا منصوبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ یزید خلیفہ

برحق تھا اور اس کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ظاہر کی گئی ہے کہ صحابہؓ
کی اکثریت نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی جو خلیفہ کے حسن کردار کی دلیل ہے۔
درحالیکہ یہ مقدمات بھی جہالت[1] پر مبنی ہیں"!

اس عبارت میں باغی کا لفظ دہرا کرنا ناظرین کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی غیر طیب کوشش کا اعادہ فرمایا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یزید کے خلیفہ برحق ہونے پر اکثریت صحابہ کی بیعت کے دلیل بنانے کو جہالت پر مبنی گردانا گیا ہے، لیکن ہم کو سخت صدمہ ہوتا ہے اور دیوبند کی سابق روایات کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر خون کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے کہ افسوس اس قلیل مدت میں یہ ادارہ کس قدر سخت انقلاب سے دوچار ہوگیا ؎

صد سالہ دور چرخ تھا ساغر کا ایک دور
ہم میکدے سے نکلے کہ دنیا بدل گئی

مقام حیرت ہے کہ جس وقت مولانا عباسی صاحب پر تنقید کی نیت فرمائیں اس وقت تو ایک "مقدمہ دلیل" جہالت پر مبنی نظر آئے اور جب اپنی تائید کا قصد فرمائیں تو وہی مقدمہ دلیل استشہاد کا سب سے زیادہ موثر، کامیاب اور محققانہ طریق کار ہو جاتے۔ مثال کے لئے یہی مندرجہ بالا اقتباس ملاحظہ ہو، اس میں عباسی صاحب کی دلیل کے مقدمات کو ہمارے مولانا جہالت پر مبنی قرار دے رہے ہیں، لیکن اسی قسم کے ایک دوسرے موقع کے لئے فرماتے ہیں:۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی فضیلت اور یہ حق کو ثابت کرنے کے لئے معرکہ کربلا
میں مذکورہ عبارت بالا جلیل القدر صحابہ کے نام بطور شاہد پیش کر رہے ہیں ظاہر ہے

---

[1] ان مقدمات کو مبنی بر جہالت ثابت کرنے کے لئے حضرت مہتمم صاحب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بجائے خود لائق ہے کہ اہل نظر اس کے مبنی بر علم ہونے کا ثبوت طلب کریں، کسی کو جاہل قرار دیدینا آسان ہے لیکن اپنے عالم ہونے کا اطمینان بخش ثبوت پیش کرنا بہت مشکل ہے۔ تحمل سے کام نہ لیا جائے تو مہتمم صاحب کی یہ کتاب اپنے تقریباً تمام ہی مطالب و مفاہیم کے اعتبار سے ایسی ہے کہ جیسا چاہے خطاب سے دے لیجئے۔ ہمارا ایماندارانہ تاثر یہ ہے کہ کتاب لکھتے وقت حضرت کے ذہن میں نہ تو تاریخ تھی نہ نقد و تحقیق کا جذبہ نہ بحوث عنہ زمانے کے حالات و کوائف کا کوئی واضح تصور بس تردید عباسی اور تنقیص یزید کا جوش فراواں تھا جس کے تحت انہوں نے بے بنیاد دلائل کا انبار لگا دیا۔ متعدد دلیلیں تو ایسی ہیں جنہیں دلیل کہنا ہی مذاق سے زیادہ کچھ نہیں اور متعدد ایسی ہیں جو صدیاں گزریں تشیع کے آسمان سے اذہان ملت پر نازل کی گئی تھیں اب وہی لوٹ پلٹ کر اہل سنت کا سرمایہ بن گئی ہیں۔ (تجلی)

کہ اس دور میں دلائل کا طرز منطقیانہ نہیں تھا، بلکہ استشہاد کا سب سے زیادہ موثر، کامیاب اور محققانہ طریقہ یہی تھا کہ کسی دعوے کے لئے صحابہؓ کو شہادت میں پیش کر دیا جائے، یہی طریقہ حدیث کی روایت تک کو قابل قبول سمجھنے کے لئے رائج تھا، جس پر پورے دین کا مدار ہے"۔ (ص۱۵۷)

آخر اپنی اس دورخی حکمت عملی کے لئے مولانا کیا لفظ پسند فرمائیں گے؟ کیا بقول آپ کے یہ "نظریاتی ریسرچ" نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس کے لئے مولانا کے پاس وجہ جواز اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ
ہے مسلّم میرا فرمایا ہوا

یا بقول متمول ؎

وتنکرون شئنا علی الناس قولھم
ولا ینکرون القول حین نقول

ہم اگر چاہیں تو لوگوں کی بات کا انکار کردیں (لیکن) لوگوں کی مجال نہیں کہ وہ انکار کرسکیں ہماری بات کا
غالباً اسی قسم کا جذبہ ہے جو مدعیان جماعت دارالعلوم دیوبند کے دماغوں میں بھی پیدا ہوگیا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی "آزادی اور دروغ" کا مستحق خیال کرتے ہیں[1]

دوسری ایک بات اور ہے جو مولانا کے ص۱۵۷ کے اقتباس میں محل غور اور وجہ تامل ہے وہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اپنی فضیلت پر صحابہ کرامؓ سے استشہاد کیا امر واقعی ہے۔ درحالیکہ ان حضرات کے نفوس قدسیہ ہر طرح مصفّٰی و مجلّٰی اور مطہر و مزکّٰی تھے۔ تو کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ حضرات بھی آج کل کے "الیکشنی امیدواروں" کی طرح اپنے اوصاف و فضائل شمار کراتے ہوں گے اور گویا اپنے مفاخر و مفاضل پر مشتمل اپنا ذاتی قصیدہ پڑھتے ہوں گے، نہیں ہرگز نہیں ان حضرات سے ہرگز ایسی توقع نہیں ہے، بس یہ تو ہوسکتا ہے کہ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کی سلسلہ وار موروثی قسم کی خلافت کو دیکھ کر ان کو کچھ ایسا خیال پیدا ہوا ہو کہ یہ خلافت میرا حق ہے، جبکہ کوفیوں کے بے شمار خطوط نے ان کے اس

---

[1] مطلب یہ ہوا کہ ایک طرف تو مہتمم صاحب کے نزدیک اکثر صحابہ کی بیعت یزید کوئی بھی وقعت و اہمیت نہیں رکھتی، دوسری طرف حضرت حسینؓ کا ان اصحاب کے نام بطور شاہد پیش کر دینا سب سے بڑھ کر اہم اور وقیع ہے، گویا ہمارا ساتھ دیں تو صحابہ سر آنکھوں پر۔ نہ ساتھ دیں تو ہم انہیں کسی شمار میں نہیں رکھیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (تجلی)

خیال کو پختہ کرنے میں کوئی کسر بھی باقی نہیں رکھی مگر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابہؓ کو گواہ بنا کر اپنے مفاخر و مفاضل شمار کرانے لگے ہوں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر ایسا نہیں ہوا تو ابن خلدون نے کس طرح نقل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مصنوعی روایات کے کاریگروں نے جب پچھلی تاریخ پر نظر ڈالی تو ان کو شہادت عثمان مظلومؓ کے موقع پر اسی کی ایک چیز یہ ملی کہ انہوں نے بھی اس وقت کے موجودین کو گواہ بنا کر "بیر رومہ" سے اپنا خصوصی تعلق وا تحقاق ظاہر فرمایا تھا۔ یا حضرت محمد بن ابی بکر کی دست درازی پر اپنی مسنون داڑھی کی فضیلت کا اظہار فرمایا تھا بس پھر کیا تھا یار لوگ اسے لے اڑے اور سیدھے میدان کربلا میں آکر دم لیا اور آخر کار اسی قسم کے جملے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی ادا کرا دیئے تا کہ اس "خزینۂ کربلاء" میں بھی اس "خزینۂ دیار رسول" کا سماں پیدا ہو جائے۔

(۱۳) ص۲۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"جہاں تک ارباب تحقیق مورخین کی تحقیق و درایت کا تعلق ہے انہوں نے اکثریت صحابہ کی بیعت اور بیعت کے بعد یزید کے خلاف خروج نہ کرنے کو قطعاً یزید کے مستحق خلاف ہونے کی دلیل نہیں سمجھا اور نہ ہی اس سے یزید کے فسق و فجور کو ہلکا یا غیر واقعی باور کرانے کی کوشش کی۔ بلکہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی اکثریت کی بیعت اور یزید کے خلاف نہ اٹھنا خوف فتنہ مابین نزاع، جدال اور آپس کے خون سے بچنے کے لئے تھا جو اس صورت میں یقینی تھا"

مولانا نے اپنے مذکورہ بالا دعوے کے ثبوت میں متعدد عبارات بھی نقل فرمائی ہیں جن میں سے کچھ حوالے ابن خلدون کے بھی ہیں اور یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے اس بحث کو ۱۰۲ صفحات تک پہنچا دیا ہے۔ یعنی اس بحث کے حصہ میں ۵۰ صفحات آئے ہیں، لیکن اس تطویل و تفصیل کے باوجود یہ بحث مندرجہ ذیل امور کے ادنیٰ ذکر سے بھی خالی ہے اور مولانا کی یہ خاموشی غمازی کر رہی ہے کہ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

(الف) فسق یزید کی تفصیل (باوجودیکہ یہ لفظ ان ۵۰ صفحات میں کم از کم سو مرتبہ تو استعمال ہوا ہوگا) مطلق نہیں پیش فرمائی کہ یزید کا فسق کس قسم کا تھا۔

(۱) کیا یزید شراب پیتا تھا؟ (۲) یا یزید مرتکب زنا ہوا کرتا تھا؟ یا نماز روزہ کا تارک تھا، وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ مولانا اگر تلاش فرماتے تو غالباً ان کو بھی یہ تفصیل شاید ابن خلدون ہی میں مل جاتی کہ یزید کا فسق کوئی شرعی و اصطلاحی اور اتفاقی فسق نہ تھا بلکہ ایک طرح کا عرفی و معاشرتی غیر شرعی فسق تھا جو اس "دور صلاح اور خیر القرون" کے صالحین کے لئے نامناسب اور خلاف اولیٰ ہونے کے باعث بعض حضرات کے نزدیک قابل انکار تھا (جیسا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک مطلقاً جمع مال قابل انکار تھا) ورنہ سب حضرات یزید کو فاسق نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بعض جلیل القدر حضرات صحابہ تک سے یزید کی نیکوکاری کی شہادتیں بھی منقول ہیں چنانچہ حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد انساب الاشراف بلاذری میں منقول ہے:۔

ان ابنه يزيد لمن صالحی اهله فالزموا مجالسكم واعطوا طاعتكم وبيعتكم۔	بیشک معاویہ کا فرزند یزید اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں ہے تم لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنا اطاعت کرنا۔ بیعت کر لینا۔

(خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۳۱ و ۴۲)

اسی کے قریب قریب "الامامۃ والسیاسۃ" سے بھی عباسی صاحب نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ "واللہ معاویہؓ کا فرزند (یزید) اپنے گھرانے کا بہترین فرد ہے"

(خلافت معاویہ و یزید ص۴۲)

اسی طرح سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت محمد بن الحنفیہ نے بھی یزید کی صلاح کاری، تقویٰ شعاری، صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور سنت نبوی کی پیروی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وقد حضرته (يزيد) و اقمت عنده فرايته مواظبا على الصلوة متحريا للخير يسأل عن الفقه ملازما للسنة۔	اور میں یزید کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ان کے پاس میں نے قیام کیا ہے تو ان کو میں نے نماز کا پابند نیک کاموں کی فکر رکھنے والا مسائل فقہ دریافت کرنے والا، سنت کا التزام کرنے والا پایا ہے۔

(البدایہ ص۲۳۳ ج۸)

بحوالہ خلافت معاویہ و یزید ص۴۳

(ب) یزید کے فسق پر حضرات صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شہادت مطلق نہیں پیش کی گئی غالباً اس سلسلہ میں بخاری شریف وغیرہ میں اقوال صحابہ مولانا کو میسر نہ آسکے ورنہ اگر یزید کے خلاف بعض تاریخی حوالوں کے سوا احادیث سے بھی کوئی سند و شہادت دستیاب

ہوتی تو اسے ہرگز نظرانداز نہ فرماتے، کیونکہ مولانا ان مباحث کو تاریخی پہلو کے مقابلہ میں دینی پہلو سے زیادہ دیکھنا چاہتے ہیں اور روایات کے ہوتے ہوئے قیاسات تاریخی کو اہمیت نہیں دے سکتے (اور جو چند عبارتیں مولانا نے "یزید اور اس کا کردار" کے زیر عنوان نقل فرمائی ہیں ان کے بارے میں اسی موقع پر آئندہ صفحات میں عرض کیا جائے گا)۔

(ج) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن سے قطعاً بحث مولانا نے نہیں فرمائی کہ آخر انہوں نے کس بناء پر یزید کو ولی عہد تجویز کیا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حالت ایمانی کیا ہوگئی تھی۔ جنہوں نے یزید کو ولی عہد بنانے کا مشورہ دیا۔ شاید مولانا نے اس سلسلے میں خاموشی ہی مفید سمجھی حالانکہ اس سلسلے میں عباسی صاحب کا بنیادی نقطۂ نظر حضرت امیر معاویہؓ اور دوسرے تمام صحابہ کی پوزیشن ہی کو صاف کرنا تھا اور یہ صفائی یزید کی صفائی کے بغیر کچھ دشوار تھی جسے انہوں نے کافی حد تک تاریخی حوالوں اور عقلی قیاسوں سے ثابت بھی کر دیا۔

(د) آخری چیز جس سے مولانا کا یہ مبحث خالی ہے وہ عباسی صاحب کے ان حوالوں کی تردید ہے جن سے عباسی صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ عام طور پر صحابۂ کرامؓ بیعت یزید پر متفق تھے، بلکہ بعض حضرات تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے اسی اقدام سے سخت الفاظ میں باز رکھنے کی کوشش بھی کر رہے تھے (ملاحظہ ہو خلافت معاویہ و یزید صفحات ۶۸ تا ۷۰) اور جس قدر جواب مولانا نے مرحمت فرمایا ہے وہ قطعی اطمینان بخش نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ حوالے یا تو ابن خلدون کی ناتمام عبارتیں ہیں جن سے یہی پتہ نہیں چلتا کہ یزید کا یہ فسق کس قسم کا تھا اور یہ کب حادثۃً ظاہر ہوا۔ شاید ان کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دعویٰ کردہ فسق اس کی ولیعہدی کے وقت تک نہ تھا بعد کو حادث وظاہر ہوا۔ اور یا کچھ وہ عبارتیں ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی تحریرات سے ماخوذ ہیں جن کی بناء پر مولانا نے اپنی کتاب کو جماعت دار العلوم دیوبند کے متفقہ مسلک کا ترجمان گردانا ہے۔ مگر افسوس کہ ان عبارتوں کی حیثیت بھی ایک توجیہ سے قطعاً زائد نہیں ہے جس کا بنیادی نقطہ بھی وہی جذبۂ تنزیہ و تزکیۂ صحابہ ہے جس نے عباسی صاحب کو ان حوالہ جات اور ان کے ایسے واضح نتائج تک راہ دکھائی۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ یا حضرت نانوتویؒ کے سامنے نہ تو آسانی سے یہ کتب فراہم ہوسکیں اور نہ ان کو اس میں ایسی کاوش کی ضرورت ہی محسوس ہوتی اس لئے بالکل سرسری اور سطحی طور پر غور فرما کر ان حضرات نے صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس آلودگی سے پاک دامن رکھنے

کی کوشش کی (کیونکہ صحابی رسول ہونے کی بناء پر ان کی صفائی ضروری تھی) یزید کے بارے میں تامل کی کوئی ضرورت نہ تھی اس لئے یہ توجیہ بالکل سامنے کی بات تھی کہ اس کا فسق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حادث وظاہر ہوا چلئے بات ختم ہوگئی۔ اب عباسی صاحب کا قصور صرف یہ ہے کہ انہوں نے اس توجیہ کو عقیدہ و نص کا درجہ کیوں نہیں دیا اور اپنی تحقیق و کاوش کو اس خط سے آگے کیوں بڑھا دیا۔ جو اکابر دار العلوم نے کھینچ دیا تھا، حالانکہ جن حضرات نے ان اکابر کی تمام تحریرات کا غائر مطالعہ کیا ہوگا، ان پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو چکی ہوگی کہ یہ حضرات (اہل حق، حق پسند، حق پرست، حق کوش ہونے کے باوجود) سبائی پروپیگنڈہ اور شہرت کے عام چلتے ہوئے جادو سے کسی نہ کسی درجہ میں متاثر بھی ہو جاتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی کی جو عبارت مولانا نے اپنی کتاب کے ص۹۸ پر نقل فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

خروج امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوائے خلافت راشدہ پیغامبر کہ بر سی سال منقضی گشت نبود بلکہ بنا بر تخلیص رعایا از دست ظالم بود و اعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات

امام حسین علیہ السلام کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعوائے خلافت راشدہ پیغمبر کی بناء پر نہ تھا جو تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بناء پر تھا اور ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات دین میں سے ہے (شہید کربلا و یزید ص۸۶)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال فرمایا ہے جو خالص سبائی و رافضیانہ ذہنیت پر مبنی ہے۔ نیز اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کو بھی واجبات دین سے قرار دے کر در پردہ دوسرے حضرات کو جو حضرت حسینؓ کے خیال و قتال میں شریک نہ تھے دین کے واجب کا تارک مانا ہے (گویا رفض کا تبرا کچھ اس سے زائد مختلف ہوتا ہے) دوسری بات اس اقتباس کے متعلق یہ بھی عرض کرنی ہے کہ شاہ صاحب کا یہ کلام مولانا نانوتوی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے متعارض ہے جو گزشتہ صفحات میں نقل بھی ہو چکا ہے جس میں حضرت نانوتوی نے قتال حسینی کو جہاد نہیں مانا ہے؛ بلکہ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق شہادت اضطراری نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی جو عبارت مولانا کی کتاب کے ص۹۹ پر نقل ہے اس میں بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لئے "امام" اور "علیہ السلام" کا استعمال موجود ہے۔ اسی طرح یزید کے

نام کے ساتھ "پلید" کا قافیہ بھی باندھا گیا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا "نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والوں کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے" تو اب ایسی صورت میں حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ کی اس جراحت قلم کو بیرد گھنڈے کی تاثیر ہی پر محمول کرنا پڑے گا۔

(۳) اسی طرح خود ہمارے حکیم الاسلام کی تحریر میں بھی جابجا "آمام" یا "امام ہمام" کا استعمال ہوا ہے جن کو احقر نے بھی دادین کے ساتھ "عطائے تو بہ لقائے تو" کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اگر مولانا اپنے لئے یا ان اکابر کے لئے ایسے الفاظ کا استعمال اس لئے جائز تصور فرمائیں کہ ان کی نیت ان کے استعمال کے وقت وہ نہیں ہوتی جو سبائی و روافض کی ہوتی ہے تو ایہام ناجائز سے تو کسی طرح مفر نہ ہوگا جس کے لئے آیۂ "ولا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا" صاف موجود ہے۔

(۴) اسی شہرت عام اور طریقۂ رائجہ سے متاثر ہونے کی مثال وہ مشہور واقعہ بھی ہے کہ دہلی کے اس مشہور علمی خاندان میں سلام مسنون کا رواج نہ تھا بلکہ طریقہ سلام یہ تھا کہ عبد العزیز تسلیمات عرض کرتا ہے یا عبد القادر تسلیمات عرض کرتا ہے۔ بعد میں حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمۃ کی بدولت اس مردہ سنت کا احیاء ہوا اور طریق مسنون پر سلام کا رواج ہوا۔ ؎

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

(۵) اسی قبیل سے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی وہ دو متعارض عبارتیں ہیں جن میں پہلے تو محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار فرمایا اور پھر اس کے حنبلی ہونے کی شہرت عام کی بناء پر اس کے عقیدے کا عمدہ ہونا بھی بیان فرما دیا چنانچہ بعد کی تحقیقات نے یہ حقیقت اچھی طرح واضح بھی کر دی۔

(فتاویٰ رشیدیہ صہ۲۴)

(۶) ذخیرۂ کتب موجود نہ ہونے کی وجہ سے تو اکابر نے بعض اوقات بعض سنتوں تک پر بھی عمل نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فارسی میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ پیش ہے:۔

"اور حضرت مجدد صاحب کا (نماز میں) یہ انگلی نہ اٹھانے کا قول ان کے اجتہاد کی وجہ سے ہے لیکن، غیر منسوخ سنت مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے انگلی نہ اٹھانے کو محض اس دلیل سے سنت (سمجھنا اور) ثابت کرنا کہ حضرت مجدد صاحب نے اسے نہیں کیا ہے کوئی عقل کی بات نہیں!"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"پس امید ہے کہ اس اجتہادی مسئلہ کے نہ کرنے پر اور صحیح احادیث کو اختیار کر کے اس کے مطابق عمل کرنے پر حضرت مجدد صاحب (عالم برزخ میں) ناخوش نہ ہوں گے۔ اگر آپ کہیں کہ حضرت مجدد صاحب اس قدر علم وسیع رکھنے کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ (نماز میں) انگلی اٹھانے کی حدیثوں سے ناواقف رہے ہوں تو میں جواب میں کہوں گا کہ حضرت مجدد صاحب کے زمانہ تک اس قدر کتابیں اور رسالے اس ملک ہند میں مشہور نہیں ہوئے پائی تھیں اور آپ کی نظر مبارک سے ثبوت کی احادیث نہیں گزریں۔ اسی وجہ سے انہوں نے انگلی اٹھانا چھوڑ دیا"

(رسالہ الاحسان جلد نمبر۱ نمبر۱ بحوالہ ثمرات الاوراق مصنفہ مفتی محمد شفیع صاحب)

ان نصف درجن مثالوں سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ اکابر کی تحقیقات و تحریرات نظر ثانی سے بے نیاز نہیں ہوتیں اور حضرت شاہ صاحب دہلوی ہوں یا حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی کسی کی تحریر کو "حرف آخر" نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ حرف آخر کی تعبیر تو ایک طرح کی بدفالی اور بددعا پر مشتمل معلوم ہوتی ہے، یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ یہ بھی نعوذ باللہ کوئی نبوت کے قسم کی چیز ہے جو ختم ہو گئی اب آئندہ کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اگر مولوی سالم صاحب یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے بھی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کو حرف آخر فرما دیا ہے۔

(۴۲) صہ۲۴۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

تاریخ ہی سے یہ بھی سن لیجئے کہ محمد ابن الحنفیہ نے بھی نہ صرف یہ کہ حضرت امامؓ کے اس اقدام کو برا یا ناجائز ہی نہیں سمجھا بلکہ حضرت حسینؓ کو اس سے روکا بھی نہیں، حتیٰ کہ اس کی تدبیر بھی بتلائی!

مولانائے محترم! سننے کو تو یہ بھی سن لیا، مگر صرف سننے سے کہیں کام چلتا ہے۔ اس کے لئے تو سمجھنے کی ضرورت ہے اور آپ سمجھنے سمجھانے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب نے اس موقع پر جو دلیل پیش کی تھی اس کا کچھ جواب بھی مرحمت فرماتے، اس طرح کوئی تاک سمجھے گا کہ آپ نے ایک حوالہ پیش کیا جس سے یہ ظاہر فرمایا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کی زبانی ان کی عینی شہادت سے یزید کو نیکوکار ثابت کیا۔ انساب الاشراف بلاذری کے حوالہ سے وہ مکالمہ نقل کیا جس میں حضرت محمد بن حنفیہ نے ان الزامات کی نہایت سختی اور صفائی کے ساتھ تردید فرمائی جو یزید کے ذمہ سبائیوں

کی طرف سے عائد کئے جاتے تھے اور صرف بلاذری نہیں، بلکہ بقول عباسی صاحب ابن کثیر نے بھی بدایہ ص۲۳۳ ج۸ پر نقل کیا ہے جن کی نقل محض بھی بہتوں کی عقلوں کو معطل کر دیتی ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ عباسی صاحب کے ان حوالوں کی بھی تردید و تغلیط فرمائی جاتی ورنہ جس طرح عباسی صاحب پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے یہ تصنیف پیش کی اسی طرح جماعت دارالعلوم دیوبند بھی مظنۂ بدگمانی سے خالی نہیں۔ کہنے والے کہہ دیں گے کہ دیوبند کی شہرت اور مرکزیت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔[لہ]

(۱۵) صفحہ ۱۰۰ سے ۱۱۲ تک: "تیسرا منصوبہ" قائم فرما کر جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں صرف وہ حصہ پر لطف اور وجد آفریں ہے جہاں مولانا نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے قلبی مقامات کی تشریح فرمائی ہے۔ مگر یہ زیادتی اس موقع پر بھی فرمائی کہ ایک صوفی صافی اور مصلح و شیخ (جو قلبی مقامات کی تشریح پر پوری قدرت رکھتا ہے) کی تعبیر کا موازنہ در مقابلہ عباسی صاحب کی سیدھی سادی تعبیر سے کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے کہ تعبیر شیخ زیادہ عمدہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ کتاب کا یہی حصہ ایسا ہے، جہاں مولانا اپنے خاص انداز بیان کے ساتھ جلوہ گر معلوم ہوتے ہیں ورنہ عباسی صاحب کے سر الزام بیجا عائد کرنے کی جو نیت آغاز کتاب میں باندھی گئی وہ یہاں بھی بدستور قائم ہے۔ ملاحظہ ہو ص۱۱۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے نفی صحابیت ان پر الزام بغاوت اور خرابی جبلت کے جو تین منصوبے عباسی صاحب نے تیار کئے تھے بلاشبہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مقدس ذات ان تینوں الزاموں سے بری اور بالاتر ثابت ہو گئی۔"

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

اگر ان فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اٹھ سکتا تو نہ اٹھے وہ بہرصورت صاحب

لہ حضرت حسینؓ کے بھائی محمد بن الحنفیہ کا نقطۂ نظر اس مفصل مکالمے سے بھی واضح ہو چکا ہے جو ماہ جون میں "ایک استفتاء اور اس کا جواب" کے ذیل میں نقل ہوا تو یزید کے خلاف خروج کو صریح طور پر "خدا کی نافرمانی" کہتے ہیں۔ یہ مکالمہ بلاذری نے بھی دیا ہے اور ابن کثیر نے بھی۔ اب مہتمم صاحب ابن کثیر ہی کی ایک روایت سے اس کے برعکس ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان پر لازم تھا کہ مذکورہ مکالمے کو بھی جھوٹا قرار دیتے یا پھر وجہ تطبیق بیان فرماتے یہ کیا کہ اس کی تردید بھی نہیں اور اس کے متضاد مفہوم کا دعویٰ بھی حاضر۔ ہم کہتے ہیں انہوں نے ابن کثیر کی جو عبارت نقل فرمائی ہے وہ اس دعوے کا ثبوت ہرگز نہیں ہے جو وہ فرما رہے ہیں۔ اس میں ابن الحنفیہ کی زبان سے ایجابی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فضائل رہیں گے؟

پچھلے صفحات میں مولانا کے فرمودات پر جو معروضات پیش کی گئی ہیں ان سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ مولانا نے عباسی صاحب کی سستی شہرت چھیننے کے لئے ان کے ذمہ منصوبہ بندیوں کے جو الزامات لگائے تھے وہ سراسر بے بنیاد ہیں ان کی حقیقت بھی "فرضی منصوبہ بندی" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اب رہا مولانا کا یہ ارشاد کہ حضرت حسینؓ کے لئے فضائل کے ثبوت سے یزید کا فسق نہیں اٹھ سکتا۔ تو کیا مولانا اس کا ذمہ لینے کو تیار ہیں کہ حضرت حسینؓ کے صاحب فضائل ہونے سے وہ فسق یزید پر زبردستی خود بخود عائد بھی ہو جاتا ہے۔ اگر مولانا کا خیال یہی ہے تو یہ طرز استدلال اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت انوکھا اور اچھوتا ہے ع

زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

(مباحث ثلاثہ پر بحث ختم ہوئی اور اب یزید اور اس کا کردار زیر بحث آئے گا۔)

تجلی | فاضل دوست رومی صاحب نے اگرچہ نقد کا حق خوب خوب ادا کیا ہے لیکن بعض گوشوں میں ایسا ایجاز و ابہام باقی رہ گیا ہے کہ معمولی علم و عقل والے شائد اس پر عبور نہ پا سکیں۔

(صفحہ گزشتہ کا حاشیہ)

طور پر کوئی بھی اعتراف فسق یزید یا اس کے خلاف خروج کے جواز و استحسان کا ہرگز نہیں ہے بلکہ ابن الحنفیہ اس مجبور بھائی کی پوزیشن میں نظر آتے ہیں جو یہ دیکھ رہا ہو کہ اس کا بھائی ایک خطرناک اقدام پر بضد ہے اور خیر خواہوں کے سمجھانے بجھانے کے باوجود عزم خروج کو ترک نہیں کر رہا ہے تو ایسی حالت میں محبت کرنے والا بھائی اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہے کہ احتیاط اور فہم و تدبر کا مشورہ دے۔ اس برادرانہ جذبے کو یہ معنی دینا کہ ابن الحنفیہ کے نزدیک خروج درست و بجا تھا زبردستی ہے۔ پھر جب مقابلہ پر ایک ایسی روایت موجود ہو جس میں ابن الحنفیہ صریح ایجابی اور قطعی طور پر اس خروج کو "خدا کی نافرمانی" کہہ رہے ہوں تو کیا وقعت رہ جاتی ہے اس نکتہ سنجی کی جو مہتمم صاحب نے فرمائی ہے، کھلی بات ہے کہ جو صریح اعتراف خود ابن الحنفیہ نے اپنی زبان سے کیا ہے وہ زیادہ معتبر ہوگا، اس اجتہادی مفہوم سے جو مہتمم صاحب ابن کثیر کی عبارت سے اخذ کر رہے ہیں۔

عباسی صاحب نے متضاد روایات میں سے ایک کو لے کر دوسری کی تردید کی تھی اور دلائل کے ساتھ اس کا من گھڑت ہونا ثابت فرمایا تھا، یہی ایک محقق کا کام ہے قطع نظر اس کے کہ یہ قابل قبول ہے یا لائق رد لیکن ہمارے مہتمم صاحب کمال کر گئے ہیں کہ ابن کثیر ہی کی ایک روایت سے کچھ مطالب اخذ فرماتے ہیں لیکن ابن کثیر ہی کی اس دوسری روایت کا غلط ہونا ثابت نہیں فرماتے جو صراحت و قطعیت کے ساتھ ان کے مطالب کی نفی کرتی ہے۔ حالانکہ اجتماع ضدین تیرہ سو برس پہلے بھی ایسا ہی محال تھا جیسا آج ہے۔ (تجلی)

لہذا کچھ توضیحات ہم ان کے دئے ہوئے بعض نمبروں کے ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

(۹) ہتمم صاحب عام حالات میں یقیناً ذہین و متین ہیں لیکن جب جذبات کا سورج چڑھتا ہے تو علم و فراست کی چاندنی پھیکی پڑجاتی ہے۔ ذرا اندازہ تو کیجئے وہ کیا فرما گئے ہیں۔

"جس چیز کو وہ (حضرت حسینؓ) حق سمجھ چکے تھے اس پر جان دیدینی گوارا کی مگر باطل کے آگے سر جھکانا گوارا نہیں کیا"

اسے چھوڑئے کہ "امارت یزید" کو "باطل" قرار دینا ان رفیع المرتبہ صحابیوں کے حق میں کتنی بڑی گالی ہے، جنہوں نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ حضرت حسین کو تابحدِ امکان خروج سے روکا۔ ہتمم صاحب کہہ سکتے ہیں کہ میرا مطلب اپنی رائے کا اظہار نہ تھا بلکہ حضرت حسینؓ کا خیال ظاہر کرنا تھا کہ وہ امارت یزید کو باطل خیال کرتے تھے۔

لیکن یہ راہ فرار بھی مسدود ہے کیونکہ ہتمم صاحب چاہے کچھ بھی فرمائیں لیکن ساری دنیا تو دیکھ رہی ہے کہ حضرت حسین نے کوفیوں کی غداری کا حال جاننے کے بعد صاف طور پر "باطل" کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ طبری۔ ابن اثیر۔ بلاذری۔ البدایہ والنہایہ اور تاریخ الخلفاء سے لے کر مولانا آزاد کی شہید اعظم تک کوئی سی کتاب اٹھا لیجئے یہی ملے گا کہ حضرت حسینؓ نے محصور ہوجانے پر طلب خلافت کا خیال ترک فرما دیا تھا اور تین باتوں میں سے کسی ایک کا اذن چاہا تھا۔ یہ کہ یا تو مجھے اپنے شہر لوٹ جانے دو یا مسلمانوں کی کسی سرحدی چوکی پر بھیجدو یا یزید کے پاس جانے دو کہ اس کی بیعت کرلوں۔ (واضح رہے کہ بیدی فی یدہٖ (۱) طبری جلد ۶ صـ۲۳۵ (۲) تاریخ ابن اثیر جلد ۴ صـ۲۴ (۳) البدایۃ والنہایۃ جـ۸ صـ۱۷۰ (۴) الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر جز ۲ صـ۱۷ (۵) تاریخ الخلفاء للسیوطی صـ۱۴۰ (۶) راس الحسینؓ لابن تیمیہ صـ۲۰۔

یہ ترک طلب اور بیعت پر تیار ہو جانا ہی وہ چیز ہے جو بڑے بڑے علماء و عقلاء کے نزدیک حضرت حسینؓ کو ان حدیثوں کی زد سے بچائے گئی جنہیں امارت قائمہ سے خروج کرنے والے کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے ذرا دیکھئے ابن تیمیہ جیسا عبقری محقق کیا کہتا ہے۔

رسول اللہ کا فرمودہ صحیح مسلم میں روایت ہوا ہے کہ "تمہارا نظم مملکت کسی ایک شخص کی سربراہی میں قائم ہوجائے تو اس وقت جو بھی جماعت میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرے اس کی گردن تلوار سے اڑادو چاہے وہ کوئی بھی ہو" لیکن حسینؓ اس روایت کی زد میں اس لئے نہیں آتے کہ انہیں تو اس وقت قتل کیا گیا ہے جب انہوں نے اپنے

موقف سے دستبرداری دے کر یہ چاہا تھا کہ یا تو مجھے اپنے شہر لوٹ جانے دو یا کسی سرحدی چوکی پر چلے جانے دو یا یزید کے پاس بھیجدو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں۔ اس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ وہ خروج اور طلب خلافت کا خیال چھوڑ کر داخل فی الجماعت ہوگئے تھے اور تفریق سے رجوع فرما لیا تھا، لہذا حریف پر لازم تھا کہ ان میں سے کوئی بات مانتا اور ان کو قتل نہ کرتا، یہ باتیں تو ایسی تھیں کہ اگر ایک معمولی آدمی بھی ان کا مطالبہ کرتا تو منظور کرلینا چاہئے تھا تو حسینؓ جیسے معظم انسان کا مطالبہ کیوں نہ منظور کیا گیا اور حضرت حسین سے کمتر آدمی بھی ایسے مطالبہ کے بعد اس کا مستحق نہ تھا اس کی راہ روکی جاتی چہ جائے کہ اسے قید یا قتل کیا جائے۔ تب ماننا پڑے گا کہ حضرت حسین مظلوم قتل کئے گئے اور وہ یقیناً شہید ہوئے"

(منہاج السنۃ جلد دوم صـ۲۵۶)

یہی بات امام ابن تیمیہ نے آس پاس کے صفحات میں متعدد بار کہی ہے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ اس بحث سے متعلق "منہاج السنۃ" کے چند صفحات مع متن و ترجمہ تجلی میں پیش کردیں۔

دور حاضر کے مشہور ذی فہم عالم مولانا ابوالکلام آزاد تک بھی حضرت حسین کو ان احادیث کی زد سے نکال لیجانے کے لئے جن میں مسلمان حاکم وقت کے خلاف خروج کو منع کیا گیا ہے اس کے سوا کوئی راہ نہ پائی کہ وہی استدلال کریں جو ابن تیمیہ نے کیا ہے چنانچہ "مسئلہ خلافت" اٹھا کر دیکھ لیجئے، حضرت حسینؓ کے ترک طلب اور دخول فی الجماعت پر رضامندی اور بیعت یزید کے لئے اظہار رضا ہی وہ چیز تھی جس کی بنیاد پر وہ حضرت حسین کو شہید مظلوم قرار دیتے ہیں اور بجا دیتے ہیں۔

اب ہتمم صاحب کا موقف دیکھئے کہ ایک طے شدہ تاریخی حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے وہ بنیاد ہی ڈھائے دے رہے ہیں، جس پر حضرت حسین کی شہادت مظلومہ کا مدار تھا جس کے سہارے یہ دعویٰ کیا جاسکتا تھا کہ حضرت ممدوح حالت خروج میں قتل نہیں ہوتے بلکہ اس حالت میں ہوئے ہیں جب خروج سے دستبرداری دیکر خلیفۂ وقت کی بیعت پر آمادہ ہوچکے ہیں اور مجھ یہ رہے ہیں کہ تم نے منقبت حسین کا حق ادا کردیا "وہ سر جھکانا گوارا نہیں کیا" سے مراد اگر انہوں نے یہ لے لی ہے کہ "امام" نے حریف کے سامنے "رکوع" کرنا گوارا نہیں کیا تو خیر لیکن اگر "سر جھکانے" کا یہی مفہوم ہے جو اصطلاحاً معلوم ہے تو بتایا جائے کہ ہتمم صاحب کا دعوےٰ سوائے حسن بیان کے اور کیا معنی رکھتا ہے؟

وہ شاید کہیں کہ وہ امام؟ اگر ابن زیاد کے آگے سر جھکا گئے ہوتے تو شہادت ہی کیوں پیش آتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو برتری اور عظمت کا وہ احساس جو استحقاق خلافت کے سلسلہ میں عموماً بنو ہاشم اور خصوصاً حضرت علی و حسین رضی اللہ عنہما کے اندر پایا جاتا تھا اس کے ملنے آیا کہ حسین جیسا اونچے مرتبہ والا بجائے خلیفہ وقت کے اس کے ایک افسر کے آگے دست بستہ ہو جائے۔ کیا شک ہے کہ حضرت حسینؓ ابن زیاد اور دیگر فوجی افسروں کے مقابلہ میں بمدارج رفیع المرتبہ تھے، ان کی خودداری وغیرت ان کمتروں کے آگے سرافگندہ ہونے میں رکاوٹ بنی چاہئے تھی۔

دوسرے آپ کو یقین تھا کہ اگر اپنا فیصلہ ابن زیاد کے ہاتھ میں دیدیا تو یہ شخص بغیر جان لئے نہ ملنے گا جیسا کہ ابن اثیر کی تاریخ الکامل جلد ۴ کے صـ۲۱ پر خود حضرت حسین ہی کی زبان سے اس خیال کا اظہار دیکھا جاسکتا ہے۔ ابن زیاد کے برخلاف یزید سے آپ کو توقع تھی کہ وہ بیعت لینے کو کافی سمجھے گا اور خروج کی سزا میں جان نہیں لے گا۔ یہ توقع بجا تھی کیونکہ ان کے معاملہ میں یزید نے شروع ہی سے نرمی برتی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ سفر کوفہ سے قبل یزید نے حضرت کو سختی اور جبر سے اپنی بیعت پر مجبور کرنے کی بجائے نہایت درترغیب کا وہ نرم رویہ اختیار کیا تھا جو ایک حلیم و نرم خو خلیفہ ہی سے متوقع ہو سکتا ہے سخت گیری اور تشدد سے مطلق پرہیز کیا تھا۔ لوگ کہتے ہیں اس نرمی کی وجہ حضرت معاویہؓ کی نصیحت تھی۔ ہم کہتے ہیں بے شک ایک وجہ یہ بھی تھی لیکن حقیقی سبب خود یزید کی فطرت و طینت میں پایا جاتا تھا۔ اس کی زندگی میں شجاعت و بسالت تو ملتی ہے ظلم و شقاوت کا نشان نظر نہیں آتا۔ نرمی اور مرتبہ شناسی تو نظر آتی ہے گستاخی و سنگدلی کا پتہ نہیں چلتا۔ یوم الحرہ کے سلسلہ میں افسانہ نگاروں نے بہت کچھ افسانے اس کے ظلم و طغیان کے تراشے ہیں لیکن غیر جانبدارانہ تحقیق کیجئے تو ذاتی و انفرادی حیثیت میں وہ کہیں بھی ظالم و جابر کے روپ میں نہیں دکھائی دے گا۔ اسی لئے حضرت حسینؓ کو صحیح امید تھی کہ اس تک پہنچ جاؤں تو بدسلوکی سے بچ جاؤں گا۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں خود کو قیدی بنا دینے کا مطلب اپنی موت کے محضر پر خود دستخط کر دینے تھے۔ کم سے کم حضرت حسین ایسا ہی سمجھتے تھے۔

(۵) اس نمبر کے ذیل میں رومی صاحب اس استدلال کو تو نظر انداز ہی کر گئے جو دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے، یعنی مہتمم صاحب نے متعدد صفحات میں پھیلا کر یہ عجیب و غریب منطق پیش کی ہے کہ چونکہ خلافت راشدہ کی عمر از روئے حدیث تیس سال تھی۔ یہ تیس سال گزر چکے تھے اس لئے اب جو بھی خلافت و حکومت آتی تھی وہ راشدہ نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ "امام حسین" جیسا رفیع المرتبہ صحابی خلافت و حکومت کی طلب کرتا انہیں ہرگز خلافت کی طلب نہیں تھی اور اہل اللہ

کو سوائے خلافت راشدہ کے کسی حکومت و خلافت کی طلب نہیں ہو سکتی۔ پس یہ کہنا کہ حضرت حسین خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور کربلائی اقدام طلب خلافت کے لئے تھا یہ دین اور اہل دین کے ساتھ تلعب ہے؛ کیونکہ وہ چیز ہی موجود نہیں جس کی طلب کا الزام لگایا جا رہا ہے۔

یا للعجب! ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ بیعت ہی لینے کی خاطر ہوا تھا اور بیعت لینے والے کو خلیفہ کہا جاتا ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے اور کہنا چاہئے کہ حضرت حسین کا خلافت طلب کرنا حب جاہ اور دنیا پرستی کے تحت نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ نظام اسلامی کو وہ اپنی دانست میں یزید سے زیادہ بہتر شکل دے سکتے تھے یا اس لئے تھا کہ ان کے نزدیک یزید کا ولیعہدی کے ذریعہ خلیفہ بن جانا ظلم تھا اور اس ظلم کو وہ دفع کرنا چاہتے تھے، یا کوئی اور بھی سے اچھی توجیہہ کر لیجئے لیکن یہ کہنا تو روز روشن میں سورج کے انکار کا ہم معنی ہے کہ حضرت نے خلافت کی طلب ہی نہیں کی۔ اس سے آپ کو کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی وغیرہ۔ مہتمم صاحب نے بطور دلیل شاہ عبد العزیز کی یہ عبارت پیش کی ہے۔

> امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کے خلاف کھڑا ہونا دعائے خلافت راشدہ کی بنا پر نہ تھا جو تیس سال گزر جانے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے چھڑانے کی بنا پر تھا اور مظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی اعانت واجبات (دین) میں سے ہے۔ ص۸۲

تو کس نے کہا ہے کہ حضرت حسین خلافت راشدہ کا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے؟ بحث نفس خلافت سے ہے نہ کہ راشدہ سے۔ اگر خلافت راشدہ تیس سال پر ختم ہو چکی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب قیامت تک کوئی بھی اللہ کا بندہ اللہ کے دین کو پوری طرح قائم کرنے کے لئے قیام خلافت کی سعی نہ کرے گا، اور اگر کرے گا تو اہل اللہ کے دائرے سے خارج ہو جائے گا۔ حضرت حسین کی طرف جس خلافت کی طلب کو وا قعات کی اٹل شہادت پر منسوب کیا جاتا ہے اس کے "راشدہ" ہونے پر کسی کو بھی اصرار نہیں۔ جو چیز ختم ہوتی وہ خلافت راشدہ تھی نہ کہ نفس خلافت و حکومت۔ پس یہ کہنا کہ حضرت حسینؓ پر اس چیز کی طلب کا الزام لگایا جا رہا ہے جو سرے سے موجود ہی نہیں تھی سطحیت کی انتہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یزید اگر ظالم تھا تو اس کے ہاتھ سے مظلوم رعایا کو چھڑانا بغیر اس کے ممکن ہی کب تھا کہ یزید کو ہٹا کر حضرت حسین خود تخت حکومت پر بیٹھیں اور رعایا سے ظالم کو دفع کر کے انصاف دیں۔ مہتمم صاحب بالکل غلط کہتے ہیں کہ عباسی صاحب نے حضرت حسین پر مطلب اقتدار اور غیر معقول حب جاہ کا الزام لگایا ہے یا عنوان چسپاں کیا ہے ان کی کتاب میں انگلی رکھ کر بتایا جائے کہ یہ الزام کہاں ہے۔ رہا اس منطق کے ذریعہ دوسروں کو مجرم بنانا

{ کہ مجرد طلب خلافت ہی "نامعقول حب جاہ" ہے تو پھر عبداللہ ابن زبیرؓ کے بارے میں بھی کہہ دینا چاہئے کہ طالب خلافت نہیں تھے، افسوس منقبت حسین میں ہتھم صاحب دیگر اصحاب کے ناموس کی پرواہ نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ "اہل اللہ کے لئے مطلق حکمرانی میں کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہوسکتی" تو عبداللہ ابن زبیرؓ تو لاز ماً اہل اللہ کے دائرے سے خارج ہو گئے کہ حکمرانی سے ان کی ذاتی دلچسپی کسے معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہتھم صاحب کو معاف فرمائے انہوں نے فرط جوش میں بڑے بڑے ائمہ و علماء کو شرعی گالی دی ہے جس کا ثبوت حسب ذیل ہے:۔

صفحہ ۴۴۱ پر لکھتے ہیں:۔

اس سلسلہ میں ایک مفصل روایت تو ابی مخنف کی ہے جس کی روایتوں کو سبائی روایت کہہ کر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں"

ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمانوں میں جو بہت سے باطل فرقے پائے گئے ہیں انہی میں سے ایک فرقہ ناصبیہ ہے۔ آپ کسی اچھے خاصے مسلمان کو خارجی یا معتزلی یا ناصبی کہدیں تو یہ "شرعی گالی" کہلائے گی۔ اب سنئے کہ یہ ابی مخنف کون صاحب ہیں اور ان کی روایات رد کر کے کون کون حضرات ہتھم صاحب کے عطا فرمودہ خطاب "ناصبی" کا ہدف بنے ہیں۔

لوط بن یحیٰ ابو مخنف دوسری صدی ہجری میں ایک شیعہ صاحب گزرے ہیں، جنہیں داستان سرائی اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا، یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے داستان کربلا کو ایک مربوط کہانی بلکہ ایک ناول کی حیثیت سے دنیا کو سنایا۔ ان کی مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے اگرچہ اکثر لوگ واقف تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے علاوہ اور کوئی تاریخی روایات بیان کرنے والا اس وقت نہیں ملتا تھا لہٰذا جو کچھ بھی انہوں نے رطب و یابس پیش کیا مقبول ہوا اور بعد میں جب طبری اپنی تاریخ لکھنے بیٹھے تو ان صاحب کی روایات خوب خوب لیں۔ جن کا جی چاہے طبری جلد ثانی میں واقعات کربلا کی اور اس کے متعلقات کا تذکرہ دیکھ لے قدم قدم پر قال ابو مخنف کی تکرار نظر آئے گی۔ طبری ہی نہیں بلاذری کی انساب الاشراف اور ابن اثیر کی الکامل وغیرہ کا بڑا مبنیٰ بھی یہی صاحب اور ایک دوسرے نامہاد صاحب ہشام بن محمد الکلبی ہیں۔ پھر ذہبی اور سیوطی اور دیگر مورخین نے اپنا ماخذ زیادہ تر انہی تاریخوں کو بنایا تو اس کے سوا کیا کہا جائے گا کہ بنیاد اس پورے محل کی ریت ہی پر ہے۔

اب دیکھئے کہ ائمہ رجال اور بڑے بڑے ناقدین، جن پر علم الحدیث کا مدار ہے۔ ابو مخنف کے بارے میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ پہلے تو خود شیعہ حضرات کی مستند کتاب تنقیح المقال دیکھ لی جائے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ ابو مخنف امامیہ شیعہ تھے۔ پھر ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی آٹھویں جلد ملاحظہ فرما لیجئے، جس میں ابن کثیر نے ان کو شیعہ بھی لکھا ہے اور ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث بھی بتایا ہے (ان کے الفاظ آگے ہم دیں گے)

اب حافظ ابن حجر کی لسان المیزان جلد ۴ اٹھائیے۔ اس میں یہ الفاظ ملیں گے:۔

لا یوثق بہ	بالکل اعتبار کے لائق نہیں

پھر یہ ملے گا:۔

ترکہ ابو حاتم وغیرہ	ابو حاتم وغیرہ نے (جو ائمہ جرح و تعدیل میں شمار ہوتے ہیں) اسے متروک قرار دیا ہے۔

پھر ملے گا کہ:۔

قال الدار قطنی ضعیف	دار قطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔

پھر یہ ملے گا کہ:۔

قال یحییٰ بن معین لیس بثقۃ	یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں ہے۔

یہی یحییٰ ابن معین اسے لیس بشئی کے انتہائی تحقیر آمیز الفاظ سے بھی یاد کرتے ہیں یعنی وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔

پھر یہ ملے گا کہ:۔

قال مُرۃ لیس بشئی	مرہ نے کہا کہ وہ تو کوئی چیز نہیں۔

پھر یہ ملے گا کہ:۔

قال ابن عدی شیعیٌ محترق صاحب اخبارھم	ابن عدی فرماتے ہیں کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور انہی کی خبریں روایت کرتا ہے۔

یہ ہے جغرافیہ اس ابو مخنف کا جن کی روایتوں کو رد کرنے پر ہتھم صاحب "ناصبیت" کی پھبتی چست کر گئے ہیں۔ یہی وہ شخص ہے جو حضرت حسین جیسے عزیمت و شجاعت والے عظیم انسان کو شیعوں کی سطح پر لانے کے لئے یہ روایت تک گڑھ گیا ہے کہ جب تیر لگنے کے نتیجہ میں حضرت حسین بیہوش ہو گئے اور پھر ہوش آیا تو شدت ضعف سے اٹھا نہ گیا۔ اس وقت آپ دھاڑیں مار کر روئے اور فریاد دوہن کے انداز میں یہ الفاظ فرمائے۔

- واجداه وا احمداه وا آباه واعلیاه
وا اخاه واحسناه واغربتاه واعطشاه
واغوثاه واقلة ناصراه ۔

ہائے دادا۔ وائے محمدؐ، ہائے بابا وائے علی، ہائے بھائی، وائے حسن، ہائے غربت الوطنی، وائے پیاس کی شدت، ہائے مدد وائے مددگاروں کی کمی!

مقتل الحسین ص۸۹

معاذ اللہ! جو شخص اس طرح کی یاوہ گوئی کرے وہ منہ لگانے کے قابل ہو سکتا ہے۔ مزا یہ ہے کہ حر بن یزید سے بھی بوقت شہادت اس شخص نے اسی طرح کا زنانہ بین روایت کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں ہی حضرات کی عظمت دینی اور صفائے قلب سے اس کے سوا کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ اپنے آخری وقت میں ان کی زبانوں پر کلمۂ توحید ہوگا اور دلوں میں باری تعالے کی یاد۔ یہ اللہ کے نیک بندوں کی طرح موت کو آغوش مادر محسوس کرتے ہوں گے اور جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے ان کے اندر آخرت کا اشتیاق پیدا ہو چکا ہوگا۔ بقول ابو مخنف اگر حضرت حسینؓ بھی ھل من مجیر یجیرنا (ہے کوئی جو ہمیں پناہ دے) کا نعرہ لگا سکتے تھے۔ تو پھر شجاعت و مردانگی کی ان تمام داستانوں کا کیا بنے گا جنہیں اسی جیسے لوگ گردن اکڑا کے بیان کرتے ہیں۔

مستزاد تماشہ یہ کہ یہی شخص یہ بھی روایت کرتا ہے کہ جب حضرت زینب کو امام حسینؓ کی باتیں سنکر یقین ہو گیا کہ آپ شہید ہونے والے ہیں تو بے قابو ہو کر چیخ اٹھیں اپنے منہ پر دو ہتھڑ مارے گریبان چاک کیا اور غش کر گئیں۔ اس پر حضرت حسینؓ نے پانی کے چھینٹوں سے ہوش دلایا اور نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو! توکل علی اللہ سے دل کو مطمئن کرو وغیرہ وغیرہ۔

(طبری جلد ۴ ص۲۳۹ و مقتل حسین ص۵)

جو حسینؓ دوسروں کو ضبط و تحمل کی تلقین کر رہے ہیں انہی کی زبان سے ابو مخنف شیعی المذہب کا بین و ماتم نکلوا رہے ہیں اور مہتمم صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی روایتیں رد کرنے والے "ناصبی" ہیں! تو یہ گالی حافظ ابن حجر، ابو حاتم، یحییٰ بن معین، مرہ، دار قطنی اور ابن عدی وغیرہ سب کو پڑی۔ بلکہ صحاح ستہ کے جامعین پر تو بدرجہ اولیٰ پڑی کہ انہوں نے ایک بھی روایت اس شخص کی نہیں لی یہ بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد یہ ابن ماجہ و نسائی سب کے سب ناصبی تھے کہ انہوں نے بھی میزان الاعتدال میں ابو مخنف کو ساقط الاعتبار ہی ٹھیرایا ہے۔ امام ابن تیمیہ بھی ناصبی تھے جنہوں نے صاف کہا:۔

ابو مخنف وھشام بن محمد بن السائب ... ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن سائب اور

واشالها من المعروفین بالکذب عند اهل العلم۔

ان جیسے لوگوں کا جھوٹا ہونا تو اہل علم کے یہاں معلوم و معروف بات ہے۔

منہاج السنۃ جلد اول ص۱۳

خوب ہے یہ عقیدت حسینؓ کہ چاہے ساری امت کی آبرو لٹ جائے مگر حسینؓ کی مفروضہ عقیدتوں کا علم بلند ہی رہے۔ "مفروضہ" سے مراد یہ نہیں کہ ان کی تمام ہی عظمتیں قابل انکار ہیں۔ پاگل ہے وہ شخص جو عظمت حسینؓ کا منکر ہو۔ وہ بہت بڑے تھے اتنے بڑے کہ ان کے قدموں کی خاک ہم جیسوں کی پیشانی کو نور سعادت سے جگمگا سکتی ہے، لیکن جو خیالی عظمتیں روافض اور شیعہ حضرات بیان فرماتے ہیں وہ چاہے مہتمم صاحب کے قلم سے پروانۂ تصدیق حاصل کریں یا کسی اور بڑے سے بڑے اہل سنت کی زبان سے ہر حال نقد و جرح کے کانٹے پر تلیں گی اور کم وزن نکلیں گی تو رد کر دی جائیں گی۔ سو بار ناصبیت کا قبول مگر جھوٹی کہانیاں قبول نہیں ہیں۔

ابو مخنف کی آڑ میں محتاط اہل علم کو ناصبی بنانے کے بعد مہتمم صاحب نے ابن ابی الدنیا کی ایک روایت پیش فرمائی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جب حسینؓ کا سر یزید کے سامنے لایا گیا تو اس نے دانتوں پر چھڑی ماری اس پر صحابی رسول اللہ ابو برزہ اسلمیؓ بولے کہ اپنی چھڑی ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو اس جگہ کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے اس روایت کے راوی عمار الدہنی شیعہ ہیں۔ گو ابن حجر اور علامہ مامقانی نے ان کو معتمد مانا ہے لیکن ان کے تشیع پر بھی متفق ہیں۔ تقریب التہذیب ص۲۵۱ و تنقیح المقال جلد ۲ ص۳۱۶ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ سچے سے سچا آدمی بھی غلوئے عقیدت میں ذہنی جانبداری کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ جان بوجھ کر تو جھوٹ نہیں بولتا مگر اس کو کیا کیجئے کہ غیر معقول عقیدت کی عینک اس کے زاویۂ نظر ہی کو فاسد کر دیتی ہے اور نہایت معصومی و دیانت کے ساتھ وہ غلط کو صحیح سمجھ بیٹھتا ہے[1]

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت بعض راویوں کے اعتبار سے مجہول بھی ہے اور منقطع بھی، تیسری بات یہ کہ امام ابن تیمیہ پوری تحقیق کے بعد فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین زادوا اشیاء من الکذب کما زادوا فی قتل عثمان و کما زادوا فیما یراد تعظیمه من الحوادث و کما زادوا فی المغازی والفتوحات وغیر

اور جن لوگوں نے حسینؓ کا حزنیہ نقل کیا ہے انہوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں جیسے کہ قتل عثمان کے بیان میں اور جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے حسینؓ کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹ

[1] ابن خلدون نے تاریخ میں غلط روایتوں کے جگہ پا جانے کی جو وجوہ "مقدمہ" میں بیان کی ہیں ان میں اس وجہ کو پہلے نمبر پر رکھا گیا ہے۔

ذلك والمصنفون فى اخبار قتل الحسين منهم من هو من اهل العلم كالبغوى وابن ابى الدنيا وغيرهما ومع ذلك فيما يروون آثار منقطعة وامور باطلة۔

اضافے کئے گئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انہوں نے بھی باوجود اپنے علم و فضل کے جو کچھ اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۲)

آگے بڑھنے سے پہلے عام ناظرین دو باتیں سمجھ لیں ایک یہ کہ فیما یرادو تعظیمہ من الحوادث سے مراد اس قسم کی کہانیاں ہیں کہ قتل حسین کے روز آسمان سیاہ ہوگیا اور تارے نظر آنے لگے یا آسمان سرخ ہوگیا، گویا خون رو دیا، یا بیت المقدس کے ہر پتھر کے نیچے تازہ خون پایا گیا، وغیر ذلک من الهفوات، ہم مناسب موقع پر بتائیں گے کہ حافظ ابن حجر جیسا غواص فن بھی فرط عقیدت میں ان بے سروپا روایات کو زیب قرطاس کرنے سے نہیں رکا ہے۔

دوسری یہ کہ آثار منقطعہ ان روایات کو کہتے ہیں جن کے درمیان سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی غائب ہوں ایسی روایات اہل علم میں کبھی اجتہاد و استدلال کے قابل نہیں ٹھیری ہیں۔

آگے ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ حدیث صحیح سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حسینؓ کا سر ابن زیاد کے آگے لایا گیا (عراق میں) ابن زیاد نے دانتوں پر چھڑی ماری تو اس وقت انسؓ بن مالک اور ابو برزہ اسلمیؓ موجود تھے پھر لکھا آگے کہتے ہیں:۔

وقد روی باسناد مجهول ان هذا كان قدام يزيد وان الراس حمل اليه وانه هو الذى نكت على ثناياه وهذا مع انه لم يثبت ففى الحديث ما يدل على انه كذب فان الذين حضروا نكته بالقضيب من الصحابة لم يكونوا بالشام وانما كانوا بالعراق (۰)

اور مجہول سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ یہ سر لایا گیا یزید کے آگے تھا اور یہی وہ ہے جس نے دانتوں پر چھڑی ماری تو اول تو یہ بات قطعاً ثابت نہیں ہے دوسرے روایت ہی میں وہ بات موجود ہے جو اس کے جھوٹ ہونے پر دلالت کرتی ہے، یہ کہ جن صحابہ کی موجودگی کا دعویٰ یزید کے اس فعل قبیح کے وقت کیا جارہا ہے وہ تو اس وقت شام میں تھے ہی نہیں بلکہ عراق میں تھے۔

لہ حضرت حسینؓ کا سر کاٹنے کی روایت محض وضعی ہے۔ ابن تیمیہ نے بریدن سر کی روایت کو بلا تنقید قبول کرلیا ہے مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو خلافت معاویہ ویزید کا تیسرا ایڈیشن۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب کی نقل فرمودہ ابن ابی الدنیا کی روایت کی سند بعض رواۃ کے تعلق سے مجہول ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ابو برزہ اسلمیؓ جن کی موجودگی کا ذکر اس روایت میں ہے ثابت شدہ روایات کی رو سے اس وقت عراق میں تھے نہ کہ بارگاہ یزید میں۔ اس دعوے کا مزید ثبوت مسند احمد کی اس روایت میں ملتا ہے جس میں ابن زیاد کی گستاخی کے وقت ابو برزہ اسلمیؓ کی موجودگی بیان کی گئی ہے۔ رہا یہ کہ ابن کثیر نے ابو مخنف اور ابن ابی الدنیا کی روایتیں بلا جرح قبول کرلی ہیں تو یہ بات مہتمم صاحب کے نزدیک اہم ہو لیکن ان لوگوں کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی جن کے سامنے خود ابن کثیر ہی کا یہ فرمودہ موجود ہے۔

وفى بعض ما اوردناه نظر ولولا ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكروه ما سقته واكثره من رواية ابى مخنف لوط بن يحيى وقد كان شيعيا وهو ضعيف الحديث عند الائمة ولكنه اخبارى حافظ عنده من هذه الاشياء ما ليس عند غيره ولهذا يترامى عليه كثير من المصنفين

البدایہ والنہایہ جلد ۸ صـ ۲۰۲

اور جتنا کچھ ہم نے سپرد قلم کیا ہے اس کا بعض حصہ محل نظر ہے، اگر ابن جریر اور دیگر ائمہ و حفاظ نے یہ روایتیں نہ لی ہوتیں تو ہم بھی نہ لیتے ان میں کی زیادہ تر ابو مخنف لوط بن یحییٰ سے مروی ہیں اور وہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے نزدیک ضعیف راوی ہے لیکن تاریخی احوال اسے بہت یاد تھے اس سے ایسی ایسی باتیں مروی ہیں کہ کسی اور کے یہاں نہیں ملتیں اسی لئے اکثر مصنفین اس کی طرف لپکتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ابن کثیر نے روایات لینے میں جرح و تعدیل سے کام نہیں لیا ہے بلکہ چونکہ کربلا کی داستان کا کوئی ثقہ راوی سینۂ گیتی پر موجود نہیں تھا، اس لئے ابو مخنف اور ہشام جیسے معلوم الکذب اور ضعیف و مجروح راویوں ہی کو غنیمت جانا گیا اور ان کی بعض روایتوں کو محل نظر سمجھتے ہوئے بھی اس لئے درج کتاب کر دیا گیا کہ ابن جریر وغیرہ نے انہیں اپنے یہاں درج کرلیا ہے۔ العظمۃ للہ کوئی بتائے کیا ابن جریر وغیرہ کی "فراخدلی" افسانہ طرازوں کو ثقہ اور داستان گویوں کو معتمد علیہ بنا سکتی ہے؟ بات اگر صرف تاریخ کی حد تک ہوتی اور مہتمم صاحب نے اسے اپنی ذاتی رائے کے طور پر پیش کیا ہوتا تو ہمیں کوئی سروکار نہ ہوتا لیکن سخت مشکل ہے کہ فسق یزید اور غیر ثابت فضائل حسینؓ کو انہوں نے عین عقیدہ ثابت کرنے کے لئے بہت سارے صفحات صرف کئے ہیں اور اصرار یہ ہے کہ یہ مسلک دار العلوم کی ترجمانی ہے۔

(۲۲)

(۱۶) مہتمم صاحب صـ۱۴۳ پر عنوان قائم کرتے ہیں "یزید اور اس کا کردار"۔ یہ بحث صـ۱۴۳ سے صـ۱۴۷ تک کل ۵، صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔ حالانکہ بقول مولانا دیزید کا ذکر بذاتہ مقصود نہ تھا صـ۱۴۹! یہ ذکر ضمنی و استطرادی تھا جسے عام قاعدے کے لحاظ سے مختصر بھی ہونا چاہئے تھا، مگر چونکہ مولانا کے منصوبوں کی تکمیل اور جذبات کی تسکین یزید پر لعن طعن کئے بغیر نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے مولانا کو یہاں کافی قلم کاری کرنی پڑی۔

(۱۷) صـ۱۴۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یزید کا ذاتی فسق و فجور بھی کم نہ تھا ـــ لیکن جس فسق نے اسے مبغوض خلائق بنایا وہ اس کا اجتماعی رنگ کا فسق تھا ـــ پھر اس میں قبیح ترین فسق ـــ قتل حسینؓ ہے جو اس کی امارت کا شاہکار ہے"

اس کے بعد بدایہ ابن کثیر کے حوالہ سے یزید کا قاتل حسینؓ ہونا ثابت فرما کر فرماتے ہیں کہ:۔

"کوئی وجہ نہیں کہ "قاتل حسین" کو اس قتل پر خوشی نہ ہو۔ قسطلانی شارح بخاری نے علامہ سعدالدین تفتازانی سے نقل کیا ہے کہ:۔

اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا قتل حسینؓ سے راضی ہونا اور اس سے خوش ہونا اور اہانت اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں سے ہیں جو معنوی طور پر تواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہیں اگرچہ ان کی تفصیلات اخبار آحاد ہیں"

یہاں تک پہنچنے کے بعد کچھ ایسا گمان ہوتا ہے کہ مولانا کو تفتازانی کے بارے میں ملا علی قاری کا وہ جملہ یاد آجاتا ہے "فیہ رائحۃ من الرفض" (تفتازانی میں تو رفض کی بو بُری طرح محسوس ہوتی ہے) اس لئے مولانا بڑی ہوشیاری سے اس جگہ عہدہ برآ ہونے کی کوشش فرماتے ہیں۔

(۱۸) صـ۱۴۳ پر کہتے ہیں کہ:۔

"قسطلانی کا بلا نکیر تفتازانی سے یہ عقیدہ اور واقعہ نقل کرنا اس عقیدہ اور واقعہ سے

خود ان کی موافقت کی کھلی دلیل ہے ـــ اس لئے ایک محدث اور ایک متکلم کے اتفاق سے یزید کی رضا بقتل الحسین اور اس کا فسق ثابت ہوتا ہے ـــ ان دونوں ائمہ حدیث و کلام کے نزدیک یہ بطور متواتر عقیدہ خبر کے واجب التسلیم ثابت ہوتا ہے جو دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہوگئی"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کس چابک دستی سے مولانا نے انگشت لگانے کی کوشش فرمائی ہے اور کیسے غیر محسوس طور پر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر حضرات ناظرین تفتازانی سے مطمئن نہ ہوں اور قسطلانی کی کلامی حیثیت میں کچھ کلام ہو تو اس کا لحاظ کریں کہ یہ دونوں حضرات اپنے اپنے فن کے امام ہیں اور ان دونوں نے اس مسئلہ میں اتفاق کرلیا ہے اور اگر اس "مراقبہ" کے باوجود آپ کے حلق سے یہ بات نہ اترے تو اس طرح اپنے دل کو سمجھا لیں کہ ان بزرگواروں نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ایسے "نرالے انداز" سے فرمایا ہے کہ یہ دو کا مسئلہ نہ رہا بلکہ اجماعی بات ہوگئی۔ مولانا کے اس "فرضی اجماع" کے استدلال کو دیکھ کر ان منطقی صاحبزادے کی حکایت یاد آگئی جو منطق سے فارغ ہو کر جب اپنے مکان آئے تو ایک روز کھانے پر باپ بیٹوں کے لئے دو انڈے پیش کئے گئے صاحبزادہ صاحب "جوش منطق" سے خاموش نہ رہ سکے بولے میں اپنی منطق کے زور سے ان انڈوں کی تعداد بڑھا سکتا ہوں۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ ایک انڈا وہ اور ایک انڈا یہ یہ دو انڈے تو یہ ہوئے اور ایک ان دونوں کا مجموعہ کل تین انڈے ہوئے دیکھئے حضرات۔ باپ نے بڑی صفائی سے ان کی منطق پر داد دی اور کہا اچھا بیٹا یہ انڈے جو پلیٹ میں موجود ہیں میں کھائے لیتا ہوں باقی رہے وہ انڈے جو ان کے ذریعہ تم نے اپنی منطق سے تیار کئے ہیں انہیں تم کھالو"

بالکل اسی طرح مولانا کا یہ استدلال ہے جس میں دو کی بات کو منطق کے زور سے اجماعی بات فرمایا گیا ہے، شاید مولانا کو بھی اپنے اس "منطقی اجماع" کی کمزوری کا احساس ہوا تو انہوں نے مزید دلائل کی جستجو میں ابن کثیر کے "ذخیرۂ احادیث" کی کچھ روایتیں ملاحظہ فرمائیں (جو ابن کثیر نے بھی شاید اپنی ذاتی تلاش کے بعد

لہ تواتر اور اجماع جیسی مقدس اصطلاحوں پر یوں تو اور بھی بہت سے اسلاف و اخلاف نے مشق کرم کی ہے۔ لیکن ہمارے مہتمم صاحب نے ان یتیم و لیسیرا اصطلاحوں کے سر پر جس انداز سے دست شفقت پھیرا ہے وہ تاریخ علم و فن میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ہجری سن کی ابتدائی تین صدیوں کا کوئی آدمی "تواتر و اجماع" کا یہ حلیہ دیکھ پاتے تو امید نہیں کہ غش کئے بغیر رہ جاتے۔

(تجلی)

کتاب میں نقل فرمائی ہوں گی) اس سلسلے میں مولانا کو ابومخنف کی ایک مفصل روایت بھی نظر آئی جسے بقول مولانا "سبائی روایت کہہ کر عموماً ناصبی لوگ رد کر دیتے ہیں" لیکن ازراہِ احتیاط مولانا نے وہ روایت نہیں لی کہ سبائی ہونے کے الزام سے تو محفوظ رہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس بناء پر وہ بقول خود "ناصبی" ہو جائیں خیر مولانا نے وہ سبائی روایت تو نہیں لی۔ البتہ اس کا مضمون بدایہ کے حوالہ سے ضرور نقل فرمایا جس کی تمہید اس مرعوب کن انداز سے ارشاد ہوئی ہے

(۱۹) صفحہ ۱۲۰ پر فرماتے ہیں:۔

"یہ اسی مضمون کو قدرے اجمال کے ساتھ محدث ابن ابی الدنیا نے محدثانہ طریق سے روایت فرمایا ہے"

اس تمہید کو پڑھ کر خیال تھا کہ مولانا یہ متنِ حدیث براہِ راست ابن ابی الدنیا سے نقل فرمائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر راوی پر پورا کلام بھی فرمائیں گے۔ شاید یہ بھی ارشاد ہوگا کہ یہ روایت بخاری و مسلم کے شرائط پر پوری اترتی ہے، مگر افسوس مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا، بلکہ بدایہ کے حوالے سے ایک ایسی روایت نقل فرما دی جیسی عام "شہادت ناموں" میں بھی آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

"قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کا قول جو اوپر نقل کیا گیا ہے، اس روایت سے کافی مضبوط ہو جاتا ہے کہ یزید قتل حسین سے راضی اور خوش تھا۔"

اس عبارت میں قسطلانی کی روایت اور تفتازانی کے قول کو دو چیزیں شمار کرنے سے مقصد ناظرین کو مغالطہ میں رکھ کر مرعوب کرنے کے سوا اور کیا ہے۔ جبکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ قسطلانی نے جو کچھ روایت کیا ہے وہ تفتازانی کا قول ہی ہے۔ یعنی دونوں دراصل ایک ہی چیز ہیں، مگر مولانا نے منطق کے زور سے انہیں دو کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تفتازانی کی بات مولانا کے دل کو بھی نہیں لگتی اور وہ اس کو چاروں طرف سے مضبوط بنانے کی فکر میں ہیں۔ اسی چکر میں نادانستہ ان کے قلم سے ایسے دلائل ٹپک پڑتے ہیں۔

(۲۱) صفحہ ۱۲۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم ان تاریخی قیاسات کو صحیح بخاری کے مقابلہ پر کوئی اہمیت نہیں دے سکتے۔[1] بخاری کی روایت ہے کہ ـــ ابن زیاد کے پاس حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا" ـــ مختصراً

---

[1] یہ بھی مہتمم صاحب نے بس چلتی ہوئی سی بات کہی ورنہ اسی کتاب میں وہ بخاری کی دھجیاں بکھیر گئے ہیں بخاری کی روایت تو نام لے کر بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کے دندانِ مبارک پر ابن زیاد نے چھڑی ماری مگر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا کا ارشاد سر آنکھوں پر بخاری کی روایت کے مقابلہ میں تاریخی قیاسات کو اہمیت نہ دینی چاہئے مگر کیا کیا جائے کہ بخاری کی روایت بیحد مختصر ہے، جس کی تفصیل و تکمیل نے مولانا کو پہلے تو علامہ عینی کے ذریعہ مسند بزاز تک پہنچایا پھر ابن حجر کے ذریعہ طبرانی کی معجم صغیر و کبیر تک مولانا کی رسائی ہوئی لیکن وہ تفصیل بھی جب باعث تسکین نہ ہوئی اور "مومنین" کے گریہ و بکا کی کوئی صورت نہ نکل سکی تو مولانا نے علامہ عینی سے مزید تفصیلات سانحہ و موجبات گریہ حاصل فرمائیں اور اس طرح ان سب روایات کو بخاری کی "صحیح اور واضح" روایت کے ساتھ تول کر وزن بڑھانے کی ایسی کوشش کی جس کے لئے "مغالطہ" کا لفظ بھی کچھ ہلکا ہوگا، ہاں اسے مولانا کی نظریاتی ریسرچ کہا جائے تو بات دوسری ہے۔

(۲۲) صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اب جبکہ حضرت حسینؓ کے پاک اور مقبول عند اللہ سر کو جسم سے جدا کئے جانے کا ثبوت معناً متواتر ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں ممکن نہیں کہ یہ سر یزید کے دربار میں پہنچایا گیا ہو آخر اس واقعہ کی روایت سے کیا وجہ انکار ہو سکتی ہے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا اس قدر پریشان کیوں ہیں کہ پہلے تو تفتازانی کے کلام سے قتل حسینؓ سے صرف یزید کی خوشی ظاہر و ثابت فرمائی پھر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت سے یزید کا قاتل حسین ہونا اور یزید ہی کے سامنے سر حسین کا پیش ہونا اور یزید ہی کا اپنی چھڑی سے اسے چوکے دیکر خوشی ظاہر کرنا ثابت

(حاشیہ لسلسلہ صفحہ گزشتہ)

مہتمم صاحب کو چونکہ جہلائے امت سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے اس قبیح فعل کو یزید کی طرف منسوب کرنے کی ضد ہے اس لئے بلا تکلف اپنے اجتہاد و قیاس اور بعض دیگر نامحکم روایات کی بنیاد پر یزید ہی کو چھڑی مارنے والا منوانا چاہتے ہیں۔ عظمت بخاری اگر واقعی ان کے قلب میں ہوتی تو کبھی یہ لغلی چال نہ چلتے۔ اس چال کا مطلب صاف ہے کہ ابن زیاد کا نام بخاری نے غلط لیا۔ چھڑی باز تو دراصل یزید تھا کیا اسی کا نام اہمیت بخاری ہے؟ امام بخاری بیچارے مغفرت یزید کی روایت بیان کرتے ہیں تو اسے بھی من مانی تاویلوں کی خراد پر چڑھا کر نسیاً منسیاً کرنے کی سعی ناشکور کیجاتی ہے، اب بتاؤ کیا کہیں اور کس سے کہیں؟

(تجلی)

فرمانا چاہا، لیکن کچھ سوچ کر بخاری شریف کی اہمیت کا خیال آگیا اور بخاری کی ایک مختصر و مجمل روایت کا نام اور سہارا لیکر اس کے طفیل میں مسند بزار و طبرانی اور عینی و فتح الباری سب ہی کے تو اقتباسات پیش فرما دیے مگر لطف یہ کہ ان سب حوالوں سے نہ تو یزید کا قاتل حسین ہونا ثابت کر سکے اور نہ ہی قتل حسینؓ سے یزید کی رضا و خوشی پر استدلال کی کوئی سبیل نکال سکے تو آخر عباسی صاحب کی تقلید میں مولانا کو بھی قیاس کے "شجر ممنوعہ" کو ہاتھ لگانا پڑا اور بخاری کی واضح و صحیح روایت کے مقابلہ میں (جس میں ابن زیاد کے پاس سر لے جانا بیان کیا گیا ہے) تاریخی قیاس کو اہمیت دینی پڑی۔ اس موقع پر سوال یہ ہوتا ہے اگر ابن ابی الدنیا کی محدثانہ روایت اور بخاری شریف کی طفیلی روایت نقلی و روایتی معیار پر پوری اترتی تھیں تو مولانا کو اپنی یہ عقلی و درایتی دلیل پیش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور اگر ان روایات ہی میں کوئی ضعف و سقم تھا جس کی بنا پر ان روایات کو بھی عقلی و درایتی دلیل سے مؤید و مؤکد کرنے کی ضرورت تھی تو پھر مولانا نے یہ "محدثانہ" انداز کیا صرف مرعوب کرنے کے لئے اختیار فرمایا؟

(۲۳) ص۱۲۱ پر بدایہ ابن کثیر سے ناقل ہیں:۔

"جب ابن زیاد نے حسینؓ کو مع ان کے ساتھیوں کے قتل کر دیا اور ان کے سر یزید کے پاس بھیجے تو وہ اس قتل سے خوش ہوا اور اس کی وجہ سے ابن زیاد کا رتبہ اس کے یہاں بلند ہو گیا مگر (اس خوشی پر) تھوڑی دیر بھی نہ گزری کہ نادم ہوا۔"

اگر مولانا یہ بھی ظاہر فرما دیتے کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کس طرح بلند کیا تو اس روایت کا درایتی پہلو بھی قابل قبول اور معقول ہو جاتا اور اس کی نقلی و روایتی حیثیت بھی غیر مشکوک ہو جاتی ورنہ اس عبارت سے تو صرف اسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ قتل حسین سے خوش ہو کر یزید نے پہلے تو "واہ واہ، شاباش و شادباش، مردان چنین کنند، جزاک اللہ، سبحان اللہ وغیرہ" قسم کے الفاظ کہے جسے ابن کثیر وغیرہ جیسے حضرات نے ابن زیاد کی ترقی و بلندی پر محمول کر لیا، لیکن جب عملی طور پر بعد میں کوئی رتبہ کی ترقی ان کو نظر نہ آئی تو ان بزرگوں نے اسے یزید کی ندامت سے تعبیر فرما دیا اور ظاہر ہے کہ یہ تشریح کس قدر مضحکہ خیز ہے اس کے علاوہ ابن کثیر کی مندرجہ بالا عبارت میں ایک یہ بات بھی کھٹکتی ہے کہ اصل عربی عبارت میں "بعث برؤسہم" کہا گیا ہے جس کا ظاہری مطلب تو یہی ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی تمام مقتولین (شہداء) کے سروں کو یزید کے پاس بھیجا حالانکہ یہ بات غالباً ایسی ہے جو اب تک کسی کربلا کے نوحہ خواں نے بھی نہ کہی ہوگی۔ مگر افسوس کہ نہ تو مولانا نے "برؤسہم" کے جمع ہونے کی کوئی توجیہ فرمائی اور نہ یہ ہی ظاہر فرمایا کہ یزید نے ابن زیاد کا رتبہ کس طرح بلند کیا۔

(۲۴) ص۱۲۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اگر قتل حسین پر یہ غم واقعی تھا ـــ تو اس ظالم قاتل کو کوئی سزا دیتا، معزول کر دیتا یا کم سے کم اس سے باز پرس ہی کرتا، لیکن بقول حافظ ابن کثیر کے:۔

وقد لعن ابن زياد على فعله وشتمه فيما يظهر ويبدو ولكن لم يعزله على ذالك ولا عاقبه ولا ارسل احداً يعيب عليه ذالك والله اعلم۔

البدایہ والنہایہ ص۲۰۳ ج۸

یزید نے ابن زیاد پر لعنت تو کی اور اسے برا بھلا بھی کہا اس پر کہ آئندہ کیا ہوگا اور کیا بات کھلیگی (اور میرا کیا بنے گا) لیکن نہ تو اس ناپاک حرکت پر اسے معزول کیا نہ بعد میں اسے کچھ کیا اور نہ ہی کسی کو بھیج ہی دیا کہ وہی اس کی طرف سے جا کر اس کا یہ شرمناک عیب اسے جتلائے اور قائل کرے۔

(شہید کربلا اور یزید ص۱۲۳)

مولانا نے ابن کثیر کی یہ عبارت اپنے قیاسی مقصد کی تائید کے لئے نقل تو فرما دی مگر اس عبارت کا آخری فقرہ جو کام کا تھا اسے بالکل نظر انداز فرما گئے، حتیٰ کہ ترجمہ میں بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی یعنی حافظ ابن کثیر کو بھی سبائی روایتوں کے پیش نظر جب یہی الجھن پیش آئی جو ہمارے مولانا کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ تو انہوں نے اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے آخر میں "واللہ اعلم" بھی کہہ دیا جس کا مطلب یہی ہے کہ یہ سب ایسی متضاد اور غیر معقول باتیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ ان کا حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے۔

(۲۵) ص۱۲۴ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ان احوال کے ہوتے ہوئے جبکہ سادات مسلمین اور اجلہ صحابہ کے ساتھ یہ توہین و قتل اور ان کی ایذاؤں پر خوشنودیوں کے یہ معاملات ایک سربراہ کی سرکردگی میں اور خود اس سربراہ کے ہاتھوں نمایاں ہو رہے ہیں تو اسے عمر ثانی کہیں گے یا فاسق و فاجر؟"

مولانا کے سوالیہ جملہ کا جواب یہ ہے کہ عباسی صاحب نے یزید کو عمر ثانی کہا ہی نہیں اس لئے مولانا کا یہ الزام بالکل بیجا ہے اب رہا اس کا فاسق ہونا سو یہ مولانا ثابت نہ فرما سکے اس لئے یہ دعویٰ بلا دلیل رہا اور دلیل کے سلسلہ میں جو کچھ مولانا نے فرمایا ہے اس کے متعلق آئندہ معروضات انشاء اللہ بہت کافی حد تک تشفی بخش ثابت ہوں گی۔

(۲۶) صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں کہ :۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ خود عباسی صاحب کے اپنے اعتراف سے بھی یزید کا فسق واضح ہے خواہ وہ ان کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ انہیں یزید کی نکتہ چینیوں کا اعتراف ہے جو امام حسینؓ پر اس کی طرف سے کی جاتی تھیں۔

عباسی صاحب فرماتے ہیں :۔

"امیر یزید کو حضرت حسینؓ کے حادثہ کا صدمہ دقلق تھا، ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بیتاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ان کے خروج کا تھا اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔"

(خلافت معاویہ و یزید صفحات ۱۸۰۔ ۱۸۱)

عباسی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے فسق یزید ثابت کرنے میں مولانا نے تو کمال ہی کر دیا، اس کی تشریح جو کچھ فرماتی ہے اسے دیکھ کر شبہ ہوتا ہے کہ مولانا کسی معمولی اردو عبارت کا مطلب نہیں تحریر فرما رہے ہیں، بلکہ شاید بخاری شریف کے کسی مشکل ترجمۃ الباب کی توجیہہ و الطباق کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب تو خبط ہوا ہی مگر خود مولانا کی مراد بھی واضح نہ ہو سکی، حالانکہ عباسی صاحب کی عبارت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کی بناء پر یزید کے تعلقات ذاتی طور پر تھے مگر چونکہ حضرت حسینؓ کا "خروج" ایک ایسا اقدام تھا جو نظام حکومت اور پبلک امور پر اثر انداز ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ انفرادی چیز نہ رہ گئی تھی، بلکہ اجتماعی رنگ اختیار کر چکی تھی۔ اس لئے ان کے اقدام "خروج" کو تعلقات کی بناء پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، بلکہ اس پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

(۲۷) صفحہ ۱۲۶ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"تو حاصل یہ نکلا کہ عباسی صاحب کے دعویٰ و اعتراف کے مطابق یزید حضرت حسینؓ پر پبلک امور میں الزام بغاوت اور جرم بدعہدی و عہد شکنی عاید کیا کرتا تھا جو بلاشبہ الزام خیانت کے مرادف ہے اور وہ ذاتی و شخصی خیانت سے کہیں زیادہ شنیع و ناپاک تر خیانت ہے۔"

یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کی یہ منطقیانہ دلیل بالکل اسی انداز کی ہے جیسی بریلوی حضرات (حفظ الایمان و تقویۃ الایمان سے اہانتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرنے کے لئے) استعمال کرتے ہیں، یعنی عباسی صاحب نے تو حضرت حسینؓ کو بد عہد یا عہد شکن نہیں ٹھیرایا بلکہ ان کے خروج کو غلط فہمی پر مبنی قرار دے کر اجتہادی خطا سمجھا جو مولانا کے خیال میں بھی "امام" کی شان عالی کے منافی نہ تھی مگر مولانا زبردستی اس کا مطلب یہ قرار دے رہے ہیں کہ عباسی صاحب نے نعوذ باللہ حضرت حسینؓ کو بد عہد و عہد شکن ٹھیرایا۔ اگر یہ زبردستی جائز ہے تو جنگ جمل و صفین کے فریقین پر بھی اسی معقول دلیل کو جاری کیجئے اور کہئے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو قتل عثمانؓ میں شریک مانا اور ان کو ایسی زبردست معصیت کا مرتکب گردانا درحالیکہ وہ اس سے بری تھے) تو کیا ایک جلیل القدر صاحب روایت، اور اہل بیت صحابی پر ایسے ناپاک الزام لگانا حضرت معاویہؓ کی صفائی ہے، یا نعوذ باللہ منہ ان کے فسق پر مہر لگانا ہے۔

ہم کو مولانا سے امید تو یہی ہے کہ وہ اس دلیل کو تسلیم فرما کر اس پر خاموشی ہی اختیار فرمائیں گے اور ان کی رگِ حمیت قطعاً جوش میں نہ آئے گی جیسا کہ اب تک مشاہدہ ہوتا رہا کہ حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کیسی کیسی گستاخیاں کی گئیں اور نہ صرف شیعوں نے، بلکہ بہت سے "رفض زدہ" سنیوں نے بھی ان کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ندوۃ المصنفین، دار المصنفین جیسے سو فیصدی یا ۹۹ دیوبندی ادارے سے "سیرۃ الصحابہ" وغیرہ ناموں سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں مولانا نے شاید ان کو ملاحظہ ہی نہ فرمایا ہوگا ورنہ ان کو حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں بھی گستاخیاں ان کتابوں میں مل جاتیں اور شاید ان کی غیرت دینی ان کو ان کتابوں کی تردید پر بھی اسی طرح آمادہ کر دیتی۔

(۲۸) صفحہ ۱۴۶ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"فسق تو فسق، بعض ائمہ کے یہاں تو یزید کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آگیا ــــ گو یہ جمہور کا مسلک نہیں لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید تو ضرور ہو جاتی ہے۔"

مولانا کی یہ دلیل جس قدر زوردار ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے اگر آپ یزید کا نام ہٹا کر جماعت دار العلوم دیوبند، "کو رکھ کر یوں فرمائیں کہ "فسق تو فسق علمائے حرمین کے یہاں تو جماعت دار العلوم دیوبند" کی تکفیر تک کا مسئلہ بھی زیر بحث آ گیا ہے گو کہ یہ جمہور کا مسلک نہیں، لیکن اس سے کم از کم اس کے فسق کی تصدیق اور تاکید ضرور ہو جاتی ہے۔"

تو اس دلیل کی حقیقت آپ پر اچھی طرح روشن ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ "بناء الفاسد علی الفاسد" کسے کہتے ہیں۔ ہمارے مولانا نے اس بحث میں جس قدر عبارات نقل فرمائی ہیں وہ سب اسی "بناء الفاسد علی الفاسد" ہی کے قبیل سے ہیں، کیونکہ جس طرح علمائے حرمین کی طرف سے "علمائے دیوبند" کی تکفیر غلط بنیاد پر ہونے کی وجہ سے ان کے فسق کی بھی دلیل نہیں بن سکتی، اسی طرح ان اکابر و مشائخ کے فرمودات سارے کے سارے ابو مخنف ' طبری جیسے[1] سبائی راویوں کی روایت پر مبنی ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں جن کی قلعی عباسی صاحب نے اچھی طرح کھول دی ہے۔ اگر مولانا کو عباسی صاحب کی تردید فرمانی تھی تو اس کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ پہلے عباسی صاحب کے پیش کردہ دلائل کی غلطیاں واضح فرماتے ان کے حوالہ جات کی تغلیط فرماتے اس کے بعد اپنا عقیدہ یا نظریہ پیش فرما کر اس کے دلائل بیان فرماتے، مگر مولانا نے یہ سب کچھ نہ کیا، یعنی ساری کتاب میں اپنے "نظریات" کے لئے کچھ حوالہ جات تو فراہم فرمائے لیکن عباسی صاحب کے کلام پر مطلق کلام نہیں فرمایا جس کی کچھ مثالیں تو پچھلے صفحات میں بھی پیش کی جا چکی ہیں۔ چند مثالیں یہاں بھی ملاحظہ ہوں مثلاً:۔

(۱) یزید کا فسق ثابت کرنے کے لئے مولانا کو "شرح فقہ اکبر" اور "حیوٰۃ الحیوان" کی وہ عبارتیں تو مل سکیں جن میں یزید پر شراب نوشی، نرد بازی اور چیتوں کے شکار وغیرہ کا الزام لگایا گیا ہے۔ مگر عباسی صاحب نے شراب کے بارے میں لفظ شراب کی تحقیق فرما کر غلط فہمی کا جو ازالہ فرمایا تھا مولانا نے شاید اس کو ایسا لاجواب سمجھا کہ خود بھی لاجواب ہو گئے۔ اسی طرح عباسی صاحب کے اس حوالہ کا جواب بھی نہ بن پڑا (اس لئے نظر انداز فرما گئے) جو انہوں نے حجۃ الاسلام، امام غزالیؒ کے شاگرد قاضی ابی بکر بن عربی کی کتاب "العواصم من القواصم" صفحہ ۲۳۲ سے نقل کیا تھا فرماتے ہیں[2]:۔

وھذا یدل علیٰ عظیم منزلتہ (ای یزید) عندہ حتیٰ یدخلہ فی جملۃ زھاد	اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان (امام احمدؒ) کے نزدیک ان (امیر یزید) کی اس درجہ عظیم منزلت (وشان) تھی

---

[1] طبری کو سبائی کہنا تو جرأت رندانہ ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ انہوں نے لغوترین روایات جمع کرنے میں کسر نہیں چھوڑی ہے۔ (تجلی)

[2] العواصم من القواصم کو اول تا آخر ہم بھی دیکھ چکے ہیں۔ ۱۲ (تجلی)

من الصحابۃ والتابعین یقتدی بقولھم ویرعوی من وعظھم ونعم وما ادخلہ الا فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا تستحیون؟ (العواصم من القواصم (ص ۲۳۲)	کہ ان کو زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی ہے اور جن کے وعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور وہاں انہوں نے تابعین کے ذکر سے قبل ہی صحابہ کے زمرہ کے ساتھ ہی ان کو شامل کیا پس کہاں ہیں ان کے ساتھ خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مورخین کرتے ہیں کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی؟
.. ..	(خلافت معاویہ و یزید ص ۵۲)

(۲) یزید پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علامہ دمیری کے حوالے سے الہراسی کا کلام تو مولانا نے بڑے زور شور سے نقل فرما دیا جس میں یزید پر لعنت بھیجنے کی اجازت بھی دی گئی اور یزید کو شراب نوش و نرد باز وغیرہ بھی ظاہر کیا گیا، مگر مولانا نے نہ تو العواصم کی مندرجہ بالا حوالہ کا کوئی جواب دیا اور نہ امام غزالیؒ کے اس فتوی پر کوئی تنقید فرمائی (جو انہیں کیا الہراسی کے استفتار کے جواب میں امام غزالی نے صادر فرمایا تھا) حالانکہ ضرورت تھی کہ جہاں مولانا نے قتل حسین سے یزید کی رضا و مسرت ثابت کی تھی وہاں امام غزالیؒ کے ان جملوں کی زد سے محفوظ رہنے کی بھی فکر فرماتے۔

امام غزالی فرماتے ہیں:۔ ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین اور رضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ الخ (وفیات الاعیان لابن خلکان ص ۴۶۵)	جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا، اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۵۳)
.. .. ..	

(۳) یزید پر لعنت بھیجنے کی چھوٹ تو مولانا نے دیدی مگر امام غزالیؒ کے ان جملوں پر کچھ روشنی نہ ڈالی (جو عباسی صاحب نے حافظ ابن کثیر کی بدایہ کے حوالے سے نقل کئے تھے) فرماتے ہیں:۔

ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت رضی بقتل الحسین۔ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل نحن	اور امام غزالی نے امیر یزید پر سب و شتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسین سے راضی تھے اور بہر حال ان (یزید)

فترحم علیه فی جملة المسلمین والمؤمنین موھلئے الصلوات۔
(بدایہ ج ۱۲ صفحہ ۱۷۳)

پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ تو جائز بلکہ مستحب ہے بلکہ ہم تو ان پر رحمت کی دعا تمام مسلمین ومومنین کے شمول میں اپنی نمازوں میں مانگتے ہیں۔
(خلافت معاویہ ویزید صفحہ ۵۵)

ان مندرجہ بالا مثالوں کو دیکھکر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید عباسی صاحب کی پیروی بغیر مولانا کے لئے بھی کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں۔ اسی بنا پر وہ بھی اپنی نظریاتی ریسرچ کو عظیم دعوتِ فکر اور تحقیقات کا گنج گرانمایہ قرار دینے میں کسی قسم کا تکلف نہیں محسوس فرما رہے ہیں بلکہ اس نظریاتی ریسرچ کی دھن میں وہ اس بری طرح مبتلا ہیں اور اپنی بات کی بیجا پچ کا جذبہ ان پر اس قدر مستولی ہے کہ ان کو اپنی دلیلوں کے صحیح وزن کا بھی اندازہ نہیں ہو پاتا اور وہ ایک دلیل پیش کرنے کے بعد خود ہی اس دلیل سے کچھ غیر مطمئن ہو جاتے ہیں تو دوسری دلیل پیش فرماتے ہیں اور جب اس کو بھی غیر شافی خیال فرماتے ہیں تو تیسری دلیل بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ اسی فسق یزید کی طول طویل بحث میں مولانا جس پریشان خیالی اور تضاد بیانی میں مبتلا ہیں اس کی نظیر شاید مشکل ہی سے مل سکے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو مولانا کی یہ عبارت جو ذیل کے نمبر میں پیش ہیں۔

(۱۹) صفحہ ۱۲۷ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے واضح ہے کہ اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے تفسیق میں نہیں"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

"تاہم یہ ضرور ہے کہ مستحق لعنت اشد قسم کا فاسق ہی ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ استحقاق لعنت کا مسئلہ درحقیقت یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل ہے"

اور آگے چل کر صفحہ ۱۲۸ پر فرماتے ہیں:۔

"اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ ہو جاتا ہے۔ البتہ نام لے کر لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں"

کچھ اور آگے چل کر دمیری کے حوالے سے الہراسی کا قول صفحہ ۱۲۹ پر نقل فرماتے ہیں کہ:۔

اب رہا سلف صالحین کا قول اس کی لعنت کے بارے میں تو اس میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل کے دو قسم کے قول ہیں ایک تصریح کے ساتھ ایک تلویح کے ساتھ اور ہمارے (الہراسی روی شافعی کے) نزدیک ایک ہی قول ہے یعنی تصریح کے

ساتھ یعنی صراحۃً لعنت کا جواز"

ظاہر ہے کہ اس عبارت کا مطلب تو یہی ہوا کہ ایک قول کے مطابق ائمہ اربعہ کے نزدیک نام لے کر یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے تو پھر مولانا کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہوا کہ "لعنت کرنے میں علماء مختلف الرائے ہیں بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض نہیں" سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا یزید پر فسق بلکہ کفر تک کا فتویٰ صادر فرمانے میں تو کوئی باک نہیں محسوس فرماتے لیکن جواز لعنت کے فتوے سے کیوں گریز فرماتے ہیں (بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نقل کے مطابق امام احمد یہ ارشاد فرماتے ہوں کہ یزید پر براہ راست اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے (شہید کربلا اور یزید صفحہ ۱۳۲) آخر جب لعنت یزید پر ائمہ اربعہ متفق ہیں تو مولانا بھی تو ان میں سے کسی ایک کے مقلد ہی ہوں گے، ان کو اس مسئلہ میں تقلید سے کیوں گریز ہے؟

(۲۰) صفحہ ۱۳۱ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے ائمہ مجتہدین کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سب حضرات یزید کے فسق کے قائل تھے اس لئے لعنت کا مسئلہ زیر غور آیا۔ حتیٰ کہ امام احمد بن حنبل نے تو قرآن پیش کر کے کہا کہ اللہ نے اپنی کتاب مبین ہی میں یزید پر لعنت بھیجی ہے"

اس کے بعد ابن جوزی کی روایت نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"صالح بن امام احمد بن حنبل نے اپنے والد احمد بن حنبل سے کہا کہ بعض لوگ ہم پر الزام لگاتے ہیں کہ ہم یزید کے حمایتی ہیں تو امام احمد نے فرمایا کہ بیٹا کیا کوئی اللہ پر ایمان لانے والا ایسا ہوگا جو یزید سے دوستی کا دم بھرے؟ اور میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے الخ"

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲)

مولانا نے شاید طے کر لیا ہے کہ ان کو اپنے مطلب کے موافق جو روایت بھی مل جائے گی اس کو آنکھ بند کر کے اپنی کتاب میں لے لیں گے۔ چنانچہ مندرجہ بالا روایت مولانا نے کس آسانی سے بغیر جرح و قدح نقل فرما دی، حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور و تامل سے کام لیتے تو اس روایت کے تار و پود ان کو الگ الگ دکھائی دیتے اور ان کی سمجھ میں آسانی سے یہ بات آ جاتی کہ یہ روایت مصنوعی اور وضعی ہے کیونکہ اس میں امام احمد کے صاحبزادے کا یہ کہنا کہ (بعض لوگ ہم پر یزید کے حمایتی ہونے کا الزام لگاتے ہیں) کوئی معنی رکھتا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب الزہد میں امام احمد نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و

تابعین جو شمار کیا تھا وہ بالکل واقعی تھا۔ اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے لوگ امام احمد کو یزید کا حمایتی سمجھتے رہے ہوں گے اس لئے انہوں نے امام احمد کی حمایت کو ختم کرنے کے لئے ان کے صاحبزادے کی زبانی ایک گھڑی ہوئی روایت ادا کر دی۔

(۳۱) صـ۱۳۱ پر صواعق کی مذکورہ بالا عبارت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے اول تو یہ واضح ہوا کہ امام احمد کے نزدیک قتل حسینؓ میں یزید کا ہاتھ بلاشبہ کارفرما تھا کیونکہ امام احمد نے فساد عظیم فرما کر یزید کو اس پر مستحق لعنت فرمایا ہے جس کے معنی یزید کے قاتل ہونے کے صاف نکلتے ہیں"

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بقول مولانا، یزید کے قاتل حسین ہونے کے صریح روایات موجود تھیں اور یزید کے فاسق و مستحق لعنت ہونے پر اللہ تعالےٰ سے لے کر ائمہ اربعہ تک متفق تھے تو بار بار خود مولانا کو اجتہاد و استنباط کی حاجت کیوں پیش آئی اور ایسے صاف و صریح الفاظ سے بھی معنی نکالنے کی ضرورت کیوں ہوئی۔

(۳۲) صـ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"گو عباسی صاحب نے یزید تک پہنچ کر امام کو چھوڑ دیا صرف اسی حد تک ان کا دامن سنبھالے رہے جس حد تک ان کے ایک غریب قول سے "امام" حسینؓ کے تابعی ثابت ہو جانے کی کچھ توقع تھی"

عباسی صاحب کی طرف سے اس کا ترکی بہ ترکی جواب یوں دیا جا سکتا ہے کہ مولانا نے بھی صالح بن احمد کی روایت کو حضرت حسینؓ کے تابعی ہونے کے سلسلے میں تو غریب فرما کر رد فرما دیا، اور انہیں صالح کی روایت جب ابن جوزی کی معرفت مولانا کو ملی تو یزید کو "خدا کی ملعون" تک فرمانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اسی طرح ابن جوزی کی روایت کے مطابق امام احمد کے جو اقوال معید طلب ملے ان میں تو مولانا امام احمد کا دامن سنبھالے رہے اور خود امام احمد کی ذاتی تصنیف کتاب الزہد تک پہنچتے پہنچتے امام احمد کا دامن مولانا کے ہاتھ سے بے ساختہ چھوٹ گیا، جہاں حضرت امام احمد نے یزید کو منجملہ زہاد صحابہ و تابعین شمار کیا تھا جس کا حوالہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحات ۵۲ و ۳۰۳ میں دیا ہے اور خود آپ نے بھی اس کی تردید نہ فرما کر اسے صحیح تسلیم فرما لیا ہے ؎

زیر گردوں بد نہ بولے گر کوئی میری سنے
ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

(۳۳) صـ۱۳۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ سب شہادتیں ہم نے اس لئے نہیں پیش کیں کہ ہمیں یزید پر لعنت کرنے سے کوئی خاص دلچسپی ہے اور نہ ہی ان لعنت ثابت کرنے والے علماء و ائمہ کا منشا یزید کی لعنت کو بطور وظیفہ کے پیش کرنا ہے۔ ان کا منشاء زیادہ سے زیادہ لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے لعنت کو واجب بتلانا نہیں۔ ادھر بعض دوسرے ائمہ علم یزید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں فرماتے جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"لوگوں پر لعنت کرنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے اور لعنت سے بچ جانے اور زبان روک لینے میں حتیٰ کہ لعنت ابلیس سے بھی رک جانے میں کوئی خطرہ نہیں چہ جائیکہ اس کے کسی پر لعنت بھیجنےؑ میں خطرہ ہو"

ہمارے مولانا بھی مفید مطلب عبارات جمع کرنے پر اس طرح تلے ہوتے ہیں کہ ابھی تک تو بڑے بڑے محدثین و مفسرین اور فقہاء و متکلمین کی عبارات[1] سے یزید کا فاسق و مستحق لعنت ہونا ثابت فرما رہے ہے۔ لیکن جب لعنت سے خاموشی اختیار کرنے کا خیال آیا اور اس میں ان کو کسی متکلم و فقیہ یا محدث و مفسر کا دامن نہ ملا تو بدرجہ مجبوری ایک صوفی صافی یعنی امام غزالی کا دامن پکڑنا مناسب جانا اور ان کے کلام سے ان فقہاء و محدثین کا منشاء متعین فرمایا حالانکہ اگر ان فقہاء و علماء کا منشا یہی تھا تو یہ بھی ان ہی کے کلام سے ثابت فرمانا چاہئے تھا ورنہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ یزید کو فاسق و مستحق ملامت قرار دینے کے لئے تو عبارتیں مِثَیں ہوں، ائمہ مجتہدین اور فقہاء و محدثین کی اور لعنت سے خاموش رہنے کا منشاء متعین کرنے کے لئے صرف امام غزالیؒ بیچارے رہ جائیں۔ اگر امام غزالی کا کلام بھی قابل استناد ہو سکتا تھا تو مولانا کی نظر سے ان کا وہ کلام بھی تو گزرا ہو گا جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور اس کا کچھ حصہ مضمون زیر نظر کے گزشتہ صفحات میں بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

(۳۴) صـ۱۳۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

ع غالباً ترجمہ میں مولانا سے تسامح ہوا یا کاتب کی غلطی سے "نہ" چھوٹ گیا ورنہ ترجمہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ "لعنت نہ بھیجنے میں خطرہ ہو"

[1] ۱۲ رومی۔

"ائمہ ہدایت کے یہاں کسی کے بارے میں لعنت کا جواز بلکہ لعنت کا سوال اٹھ جانا اس کے اچھے کردار کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ بدکرداری اور فسق ہی کی دلیل ہو سکتا ہے اس لئے یہ لعنت کے اقوال ان ائمہ کی طرف سے بلاشبہ یزید کے فسق کی ایک مستقل دلیل اور وزنی شہادت ہیں"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:۔

بہرحال یزید کا فسق و فجور اور بری شہرت شروع ہی سے اس درجہ پر تھی کہ اگر کسی واقعہ سے کوئی اس کی مدح کا پہلو تلاش کر کے نکال بھی لیتا تو مبصر علماء فوراً اس کی تردید کے لئے کمربستہ ہو جاتے"

اس کی مثال دیتے ہوئے چند سطروں کے بعد ص۱۳۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ دیا تو انہوں نے اسے بیس کوڑوں کی سزا دی"

ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب صفحہ ۳۶۱ ج ۱۱۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام غزالی کا صوفیانہ مشورہ تو مولانا نے نقل فرما دیا مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اندیشہ بھی پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ واقعی امام غزالیؒ کے تصوف کا شکار ہو جائیں اور سرے سے فسق یزید ہی کا انکار کر دیں اور اس طرح یزید کو فاسق و لعنتی ثابت کرنے کے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں، تو فوراً مولانا نے استدراک فرمانا شروع کر دیا اور اس سلسلہ میں ان کو عمر بن عبد العزیزؒ کی مثال بھی مل گئی، لیکن اگر اس مثال کے ساتھ ساتھ مولانا عباسی صاحب کے ان اقتباسات کا جواب بھی مرحمت فرما دیتے تو شاید دیانت سے بعید نہ ہوتا۔ مگر خدا جانے کیوں مولانا عباسی صاحب کے حوالجات سے تعرض فرمانا اپنی شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں، ورنہ عباسی صاحب نے تو اپنی کتاب میں ص۴۳ پر العواصم من القواصم کے حاشیہ سے نقل کیا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

آپ حضرات ہمارے ان موجودہ سلطان کو خلیفہ کہتے ہیں اور میں آپ کا شیعہ بھائی ہوتے ہوئے بھی باعلان کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ اپنی پاک سیرت کے اعتبار سے بہ نسبت ہمارے موجودہ خلیفہ کے خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور شرع محمدی پر عمل پیرا ہونے میں ان سے زیادہ صادق تھے۔ پھر کہاں ان کے والد معاویہؓ کا درجہ اور منزلت"

اسی طرح عباسی صاحب نے علامہ ابن تیمیہ کی منہاج السنہ سے اپنی کتاب کے صفحات ۳۳۱ و ۳۳۲ پر

جو نقل کیا ہے اس کا ترجمہ و خلاصہ یہ ہے:۔

پس ان میں سے ہر ایک اسی معنی و اعتبار سے امام تھا کہ اس کو اقتدار حاصل تھا، اور قوت عسکریہ اس کے پاس تھی ــــ وہی حدود شرعیہ قائم کرتا تھا اور کفار سے جہاد کرتا تھا ــــ اسی معنی و اعتبار سے وہ (امیر یزید) امام اور خلیفہ و سلطان تھے ــــ پس اہل سنت جو یزید، عبد الملک یا المنصور وغیرہ کی امامت کے معتقد ہیں وہ اسی اعتبار سے ہے اور جو کوئی اس میں نزاع کرے وہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کی حکمرانی کے بارے میں نزاع کرے یا بادشاہوں سے کسریٰ و قیصر و نجاشی وغیرہ کے بارے میں کہے کہ وہ حکمران نہ تھے"

شاید مولانا بھی "نظریاتی ریسرچ" کا جواب "نظریاتی ریسرچ" ہی سے دینا چاہتے ہیں اس لئے ان کو بس اپنے مفید مطلب حوالے فراہم کرنے کی فکر ہے۔ عباسی صاحب کے دلائل کا جواب تلاش کرنے کا موقع کہاں ہے۔

(۳۵) ص۱۳۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

عباسی صاحب تو ابن کثیر کی نا تمام عبارت سے یزید کے حسن کردار کا ثبوت پیش کریں اور خود حافظ ابن کثیر حدیث رسول سے استشہاد کر کے اس کی دیانت، بدکرداری ثابت کریں، یہ نہ صرف عبارت ہی میں ایک گونہ خیانت کے ہم معنی ہے، بلکہ منشاء مورخ کے خلاف اس کی تاریخ کا ناجائز استعمال بھی ہے"

مولانا کی ساری کتاب میں یہ ایک مثال ہے جس میں مولانا نے عباسی صاحب کے ایک حوالہ پر نا تمام ہونے کا اعتراض فرمایا ہے مگر اس اعتراض کا وزن اس لئے کچھ زیادہ نہ رہ گیا کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب کی منقولہ عبارت کے لئے بدایہ ابن کثیر اور تاریخ اسلام ذہبی دو کتابوں کا حوالہ دیا تھا، لہذا تاوقتیکہ دونوں حوالوں کی تغلیط و تردید نہ ہو عبارت کے نا تمام ہونے کا اعتراض بھی نا تمام ہی رہیگا علاوہ ازیں عباسی صاحب جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن الحنفیہ جیسے حضرات کی عینی شہادات اور بیانات سے یزید کی صلاح کاری اور نیک اطواری ثابت کر چکے تھے تو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ابن کثیر کے وہ جملے بھی نقل کرتے جو سبائی ذہنیت کی پیداوار تھے اور جن کے ناقلین کے لئے قاضی ابی بکر بن عربی نے تو یہاں تک فرما دیا کہ ایسے لوگوں کو شرم کیوں نہیں آتی، اس لئے ماننا پڑیگا کہ عباسی صاحب کی پیش کی ہوئی حضرات صحابہؓ کی عینی شہادات ابن کثیر کی اس عبارت کے مقابلہ

میں زیادہ وزنی ہیں، بالخصوص جب کہ حضرت محمد بن حنفیہؒ کی شہادت (جو پچھلے صفحات میں نقل ہو چکی) اور صفائی کے راوی بھی یہی حافظ ابن کثیر ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

وقد سئل محمد ابن الحنفیۃ فی ذالک فامتنع من ذالک اشد الامتناع وناظرھم فی یزید ورد علیھم ما اتھموہ من شرب الخمر وترکہ بعض الصلوٰۃ البدایہ والنہایہ ص۲۱۸ ج ۸	اور جب محمد بن حنفیہ سے اس (فسخ بیعت کے) بارے میں کہا گیا تو انہوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث و مباحثہ کیا اور یزید کے بارے میں ان سے لڑے اور شراب نوشی اور ترک نماز کے جو اتہامات لوگ لگاتے تھے اس کی تردید کی۔ خلافت معاویہ ویزید ص۸۸

(۳۶) ص۱۳۸ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ابن کثیر کی یہ روایت تو سبائی روایت نہیں یہ خود اس کا تاریخی دعویٰ اور تاریخی آنکھ کا مشاہدہ ہے۔ اگر یہ بھی سبائی روایت ہے تو اس کے جزو اول سے عباسی صاحب نے کیوں استدلال فرمایا ہے اور اگر سبائی روایت نہیں بلکہ ابن کثیر کی معتبر اور مستند روایت ہے تو ان کی عبارت کے جزو ثانی سے استدلال کیوں نظر انداز کر دیا؟"

مولانا کی یہ جرح کچھ اس قسم کی ہے جس سے خود ان کی شانِ علم وتحقیق مجروح بلکہ مذبوح ہو گئی اور اندازہ یہ ہوا کہ سبائی اور غیر سبائی روایتوں میں فرق کرنے کا شعور مولانا کو بالکل نہیں ہے اور وہ اسی قسم کی منطقی دلیلوں سے کسی روایت کے سبائی یا غیر سبائی ہونے کا فیصلہ فرماتے ہوں گے حالانکہ مولانا کو اس میدان میں آنے اور "مشاجرات صحابہ" کے نازک و پیچیدہ موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کا غائر مطالعہ فرما کر ان کی عیاریوں اور مکاریوں سے پوری واقفیت حاصل فرما لینی چاہئے تھی سبائیوں کا تو خاص فن یہی ہے کہ وہ بظاہر دوست بن کر حق دشمنی ادا کرتے ہیں اس لئے ایسے مواقع میں ان کا خاص کمال یہی ہوگا کہ وہ یزید کی طرف سے مسلمانوں کو ایسی روایتوں کے ذریعہ بدگمان کریں کہ یہ ظاہر ہی نہ ہو سکے کہ یہ روایت کسی سبائی اور دشمن یزید کی ہے یا کسی غیر جانب دار منصف مزاج کی؟ جیسا کہ ابن کثیر کی زیر بحث روایت کا انداز ہے جس میں نام کے لئے یزید کی کچھ ایسی خوبیاں بھی گنا دیں جو یزید کے دینی کردار پر قطعاً اثر انداز نہ ہوتیں پھر ان کے ساتھ ہی ساتھ اسے پرلے درجہ کا عیاش اور اوباش سب ہی کچھ تو کہہ دیا جسے "ماہرانِ فنِ سبائی" تو سمجھ گئے (اور انہوں نے

ایسی روایت سے کام کی بات لے لی اور "پُرفن" حصہ "کالائے بد" کے طور پر راوی ہی کو واپس کر دیا) مگر ہمارے مولانا جیسے سیدھے سادے حضرات ابھی اسی اشکال میں مبتلا ہیں کہ اگر یہ روایت سبائی ہے تو اس کے جزو اول میں یزید کی مدح کیوں ہے اور اگر سبائی نہیں ہے تو اس کے جزو ثانی میں یزید پر قدح وتبرا کیوں ہے؟

لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ مولانا کی نظر (ان کی جلالت شانِ علم ومنصب حکیم الاسلامی کے باوجود) سبائی وغیر سبائی روایتوں کے مابہ الامتیاز پر نہیں ہے، کس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سلسلے میں مولانا نے جو مسائل فرمائی ہیں وہ مشکوک ہو کر "حقیقت واقعیہ" سے ہمکنار بھی ہوتی ہوں گی۔

(۳۷) صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"بہرحال یزید کے فسق وفجور پر جبکہ صحابہ کرام سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مبائعین ہوں یا مخالفین پھر ائمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علماء راسخین، محدثین، فقہاء۔ تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ تاریخی نظریہ نہیں۔ بلکہ ایک فقہی اور کلامی مسئلہ ہے، مذہبی مسئلہ ہے ذرا اور آگے بڑھا دیا جائے تو واضح ہوگا کہ فسق یزید کا مسئلہ کوئی اجتہادی مسئلہ بھی نہیں بلکہ ایک منصوص مسئلہ ہے جس کی بنیادیں کتاب وسنت میں موجود ہیں"

مولانا کے یہ بلند بانگ دعوے حقیقت نفس الامری سے کس قدر دور ہیں، اس کا اندازہ تو ناظرین کو گزشتہ صفحات سے اچھی طرح ہو گیا ہوگا اس لئے دوبارہ یہاں کچھ عرض کرنا باعث تطویل ہی ہوگا۔ البتہ اس موقع پر مولانا سے صرف ایک فتویٰ دریافت کرنا ہے امید کہ جماعت دار العلوم کے تمام افراد خصوصاً مہتمم صاحب اور صدر مفتی صاحب پورے غور وخوض کے بعد فتویٰ صادر فرما کر عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور "دینی ٹھیکہ داری" کا حق ادا فرمائیں گے۔ استفتاء یہ ہے:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے جماعت دار العلوم دیوبند اس مسئلہ میں کہ جو حضرات "فسق یزید" کے قائل نہ ہوں اور (بقول آپ کے) "فسق یزید" کے متفقہ بلکہ منصوص عقیدہ کا انکار فرماتے ہوں ان کے بارے میں ہم لوگوں کو کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہم (جن کے حالات نقل کئے جا چکے ہیں)، یا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (جنہوں نے اس "فاسق" سے مختار ثقفی کی رہائی کے لئے سفارش کی، خلافت معاویہ ص۲۳۲) یا ان کے صاحبزادے حضرت عاصم (جنہوں نے اپنی دختر حضرت ام مسکین کو اس "فاسق" کے نکاح میں دیا۔ خلافت معاویہ ص۵۸) یا

حضرت ابوزرعہ دمشقی (جنہوں نے یزید کو طبقۂ علیا میں شامل اوران کی مروی احادیث کا بھی اقرار کیا) (خلافت معاویہ ص۴۵) اسی طرح حضرت احمد بن حنبل (جنہوں نے یزید کو منجملہ زاہدین صحابہ و تابعین شمار کیا ہے — خلافت معاویہ ص۵۰) یا قاضی ابی بکر بن عربی (جن کی عبارتیں نقل ہو چکیں) یا شیخ عبد المغیث بن زہیر الحربی (جنہوں نے یزید کی فضیلت میں مستقل ایک کتاب ہی تصنیف فرمادی خلافت معاویہ ص۵۵ و ۵۶)

ارشاد فرمایئے ! یہ حضرات مذکورہ بالا اور دیگر حضرات جنہوں نے یزید کو فاسق نہ سمجھا ہو مسلمان تھے یا آپ کے مزعومہ "منصوص عقیدہ" کے انکار کی بناء پر نعوذ باللہ منہ کافر تھے؟

معلوم ہوتا ہے کہ "بغض ابن معاویہ" کے جذبے سے مغلوب ہو کر مولانا نے یزید کو فاسق و بد دین ٹھہرانے کے لئے اپنی ساری فکری صلاحیتیں صرف فرمادیں اور یہ غور نہ فرمایا کہ اس مذہبی ریسرچ کو ذرا اور آگے بڑھانے کے دور رس نتائج اس حد تک غلط بھی ہو سکتے ہیں اور سبائی روایتوں پر یقین کر کے گمنام سے نام "عام صحابہ" کو فسق یزید کا قائل دکھلانے کا مطلب یہ بھی ہو سکے گا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس حضرت عبد اللہ بن عمر حضرت محمد بن حنفیہ حضرت عاصم جیسے جلیل القدر حضرات کے ایمان کی نعوذ باللہ منہ خیر منانی پڑ جائے گی۔

(۳۹) ص۱۴۲ پر فرماتے ہیں کہ :-

"یہ اس سے متعین ہو گیا کہ جس امارت صبیان سے ابوہریرہؓ پناہ مانگتے تھے اور ۶۰ھ کے جن صبیان کی بدعملی اور شہوت رانی حدیث ابو سعید خدری میں مذکور تھی وہ یہی امارت تھی جس کا اولین سربراہ یزید تھا عمر بلوغ کی تھی مگر عقل و تدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور صبی تھے "

مولانا کو اس "متعین" فیصلے و نتیجہ تک پہنچنے کے لئے کتنی زینے طے کرنے پڑے ہیں تاوقتیکہ ان زینوں کو ہم بھی نہ طے کریں اس نتیجے کی صحت و درستی کے بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے اس لئے پہلے ان زینوں کو ہی طے کرنا مناسب ہے، مولانا کا پہلا زینہ بخاری کی کتاب الفتن کی یہ حدیث ہے۔

"یہ فرمایا ابوہریرہ نے میں صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت کی ہلاکی چند قریشی لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی "

بخاری شریف کتاب الفتن ص۱۴۲ شہید کربلا اور یزید ص۱۴۲)

جہاں تک اس حدیث شریف کے الفاظ کا تعلق ہے وہ بالکل غیر واضح اور مبہم تھے جس کی بناء پر مولانا کو اس نتیجہ تک پہنچنے کے لئے دوسرے زینے طے کرنے ضروری تھے لیکن اپنی بات کو وزن دار

اور ناظرین کو مرعوب کرنے کے لئے بخاری کا نام لینا بھی ضروری تھا اس لئے یہ روایت ذکر فرمادی لیکن تعجب تو یہ ہے کہ مولانا کو بخاری کتاب الفتن کی یہ حدیث تو نظر پڑی (جو یزید کے بارے میں واضح بھی نہ تھی) مگر اسی کتاب الفتن بخاری کی یہ حدیث نظر نہ پڑی جسے عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کیا تھا (جو یزید کے بارے میں مخصوص بھی تھی) کہ :-

"حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا کہ ہم نے اس شخص (یزید) سے اللہ و رسول کی بیعت کر لی ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے اس کی بیعت توڑ دی یا اس شورش میں شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا " (خلافت معاویہ و یزید ص۲۳۲)

دوسرا زینہ مولانا کا ابن بطال کی نقل کے مطابق ابن ابی شیبہ کی وہ روایت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ :-

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگی اور اس کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو دین کے لحاظ سے ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کی نافرمانی کرو گے تو تمہاری دنیا (جان و مال) تباہ ہوگی " (مختصراً)

(شہید کربلا اور یزید ص۱۴۳)

اگر بقول مولانا اس حدیث کے امیر کا مصداق یزید ہے اور غیر مطیع حضرت حسین ہیں (جن کو اپنی نافرمانی کی بناء پر جان سے ہاتھ دھونا پڑا) تو لامحالہ اس کے مطیعین وہ کثیر التعداد حضرات صحابہؓ بھی ہوں گے جنہوں نے یزید کی اطاعت کر لی تھی) اس صورت میں مولانا کو اپنا کلیجہ تھام کر اس کے لئے بھی تیار رہنا ہو گا کہ وہ ان مطیعین صحابہ کے لئے "دینی ہلاکت" کا فتویٰ صادر فرمائیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا کو اپنے اور سبائیوں کے درمیان فرق بھی ظاہر کرنا ہو گا جو اسی طرح بڑی آسانی سے عام صحابہ کرامؓ کو نعوذ باللہ منہ کافر و مرتد اور بے دین قرار دیتے ہیں۔

تیسرا زینہ مولانا کا اسی ابن ابی شیبہ کی یہ روایت ہے کہ :-

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازاروں میں چلتے پھرتے کہتے تھے کہ اے اللہ ۶۰ھ کا زمانہ مجھے نہ پائے اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ بھی مجھے نہ پائے "

(شہید کربلا اور یزید ص۱۴۳)

اس حدیث میں ۶۰ھ سے اور لڑکوں کی حکومت سے پہلے ہی موت کی خواہش کی گئی ہے مگر وجہ

کچھ بھی نہیں ظاہر کی گئی اگر اس کی وجہ بھی وہی "دینی ہلاکت" ہے تو پھر اشکال بھی وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا ورنہ میرے خیال میں اگر یہ روایت صحیح ہو تو مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر پناہ مانگی ہو کہ وہ آزمائش و فتنہ کا وقت ہوگا، مسلمانوں کی خانہ جنگی و خونریزی ہوگی، جس سے دنیا ہی رہنا بہتر اور اسلم ہے اس لئے اس حدیث سے فسق یزید پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

چوتھا زینہ مولانا کا ابن کثیر کی نقل کردہ حضرت ابوسعید خدری کی یہ روایت ہے کہ:۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ۶۰ھ کے بعد ایسے خلف ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کریں گے اور شہوات نفس کی پیروی کریں گے وہ عنقریب غی (وادی جہنم) میں ڈال دئے جائیں گے۔"

اس حدیث کے سلسلے میں اول تو کہنا یہ ہے کہ یہ حدیث مذکورہ بالا حدیث سے متعارض ہے۔ اوپر کی حدیث میں ۶۰ھ کا زمانہ وارد ہوا اور اس میں ۶۰ھ کے بعد کا زمانہ بتایا گیا جس کا مصداق ۶۱ھ کے بعد سے لیکر ۷۰ھ تک کا کوئی سال بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہنی ہے کہ اس حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کسی امیر کی نشان دہی کرتی ہے اس میں تو "خلف" کا لفظ آیا ہے اور یہ لفظ ہر بعد کو آنے والے کے لئے بولا جا سکتا ہے، اس سے صرف حاکم مراد لینا اچھی خاصی زبردستی ہے، علاوہ ازیں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس سے مراد ۶۰ھ ہی ہے تو پھر حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہما کی شہادت موجود ہوتے ہوئے یزید کو تارک صلوٰۃ اور عیاش و بدمعاش قرار دے کر اس حدیث کا مصداق بنانا کتمان شہادت اور حق پوشی کے ساتھ ساتھ زبردست بہتان طرازی اور صریح ظلم ہے۔

غرض کہ حدیث بخاری میں آئے ہوئے ... مصداق یزید کو قرار دینے کے لئے مولانا نے تین زینے جو اور تعمیر فرمائے اس قدر کمزور ثابت ہوئے کہ صحیح طور پر ان کو "اخبار آحاد" کا درجہ بھی نہیں دیا جا سکتا، چہ جائے کہ ان کے ذریعہ سے کسی عقیدہ کو وضع کرنے کی ہمت کی جائے اس موقع پر بے ساختہ وہ مصرعہ لکھنے کو جی چاہتا ہے جو حضرت مولانا گنگوہی علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدث تھانوی علیہ الرحمہ کے ایک فتوے پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا تھا، مشہور مصرعہ ہے:۔

گر تے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

(۳۹) ص۱۴۵ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"یہ کون نہیں جانتا کہ آج کی حکومت ہند کلیدی عہدوں پر سوائے ہندوؤں کے

دوسری قوموں کے افراد بالخصوص مسلمانوں کو رکھنے کی روادار نہیں لیکن بین الاقوامی اور بالخصوص اسلامی دنیا کا منہ بند کرنے کے لئے چند گنے چنے نام مسلمانوں کے بھی رکھ چھوڑے ہیں ـــــ دنیا ان کی عدد شماری دیکھ کر سمجھتی ہے کہ شاید ساری حکومت ہند پر مسلمانوں کا قبضہ ہے ـــــ اسی پر عباسی صاحب کی اس صنعت گری کو قیاس کر لیا جائے کہ انہوں نے بھی مجموعی طور پر اکابر کے کچھ ناموں کی فہرست پیش کر کے حکومت یزید کی صفائی پیش کر دی۔"

مولانا نے حکومت ہند کی مثال کچھ زیادہ موزوں نہیں دی، کیونکہ اس میں مختلف مذاہب کی نمائندگی کی بنا پر کچھ واقعی پیچیدگی بھی ہو جاتی ہے، اس لئے اس مثال سے عباسی صاحب کی صنعت گری واضح نہیں ہوتی، اچھا ہوتا کہ مولانا آپ بیتی ہی بیان فرماتے یعنی اپنے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی مثال کو سامنے رکھتے جس میں عرصہ تک حضرت تھانوی، حضرت رائے پوری، حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی وغیرہم من الاکابر کے نام لوگوں کو متاثر و مرعوب کرنے کے لئے محض برائے نام سر فہرست شائع کر دئے جاتے تھے اور خفیہ ترکیبیں اس کے لئے ہوتی رہتی تھیں کہ کسی طرح یہ اکابر دارالعلوم کا پیچھا چھوڑ دیں تو مدرسہ کو من مانے طور پر چلایا جائے۔

جہاں تک میری عقل کام کرتی ہے یہ مثال زیادہ موزوں و منطبق ثابت ہوتی کہ سب ایک ہی مسلک و مذہب کے افراد تھے اور محض صغر سنی و کبر سنی یا بجنوری و غیر بجنوری قسم کا فرق تھا اور مولانا کے ارشاد کے مطابق اسی قسم کی صنعت گری یزیدی حکومت میں ہوتی تھی اس لئے یہ مثال زیادہ مناسب ہے۔ ویسے مولانا کو اختیار ہے وہ چاہیں تو قریب ہی کی مثال دیں یا دہلی کی مثال دینے اتنی دور جائیں۔

(۴۰) ص۱۴۹ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن یہ عنوان جہاں واقعہ کے خلاف ہے وہیں قول رسول کا معارضہ بھی ہے جس میں اس حکومت کو "امارۃ الصبیان" کہا گیا ہے اور ذاتی اور اجتماعی تباہ کاریوں کی فہرست پیش کر دی ہے۔"

اگر "قول رسول کا معارضہ" ہونا یا یہ ثبوت کو نہ پہنچ سکا تو کیا ہوگا، مولانا اگر اس صورت کے لئے کوئی مفر رکھتے ہوں تو خیر ورنہ مناسب یہی ہے کہ وہ اپنا کوئی مفر تلاش فرمائیں اور حدیث من کذب علی متعمداً الحدیث (جو شخص دانستہ میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے) کو کسی حال میں فراموش نہ فرمائیں۔

(۴۱) صفحہ ۱۵۱ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"جیسے ابو عبیدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ "میری امت کا امر حکم عدل کے ساتھ قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ پہلا وہ شخص جو اسے تباہ کرے گا بنی امیہ میں سے ہوگا جسے یزید کہا جائے گا" لیکن ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے۔"

نماز میں بولنے کے باوجود "من نہ بولیدم" کہنا بیوقوفوں کی حکایت میں تو مشہور تھا مگر انتہائی ہوشیاری وعقل مندی کسی روایت کو ذکر کرکے یہ فرمانا کہ "ہم نے اس قسم کی روایتوں کو اس لئے پیش نہیں کیا کہ ان کی سندوں میں کلام کیا گیا ہے" شاید ہر ایک سے شاید بن نہ پڑے۔

مولانا نے شاید غور نہیں فرمایا کہ جن احادیث کو اس وضعی حدیث سے علیحدہ سمجھ کر مولانا نے اوپر ذکر فرمایا ان کو نتیجہ تک رسائی کے لئے زینہ بنایا ہے، ممکن ہے وہ بھی اسی وضعی حدیث کی ابتدائی کڑیاں ہوں اور اس صاف وصریح اور نام ونسب پر مشتمل حدیث کو صحیح باور کرانے کے لئے زمین ہموار کرنے کی خاطر مشہور کی گئی ہوں تاکہ اس تدریجی تصریح وتشریح کی وجہ سے کسی کو وضع حدیث کا شبہ بھی نہ ہو۔

(۴۲) صفحہ ۱۵۵ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"اس سے نہیں انکار کیا جاسکتا کہ جیسے اس حدیث کا عموم اسے مقبولین میں داخل کر رہا ہے ویسے ہی بخاری وغیرہ کی دوسری احادیث کا عموم اسے اس مقبولیت سے خارج بھی کر رہا ہے۔"

سمجھ میں نہیں آتا کہ یزید کی مغفرت سے مولانا کو اپنے کس نقصان کا اندیشہ ہے کہ ان کو حدیث مغفرت میں یزید کا شمول بھی پسند نہیں اور وہ محض بخاری کا نام لے کر ہی مغفرت یزید کی نفی فرما دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مغفرت کا ظہور تو حشر میں ہونا ہے اور کفر وشرک کے سوا جملہ معاصی مغفرت کا محل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ بقول مولانا "امارت صبیان" والی حدیث کا مصداق یزید ہی ہے تو بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود یزید کی مغفرت ممکن ہے یا نہیں اگر کہا جائے کہ مغفرت یزید ممکن نہیں تو یہ بات تو بالکل صریح البطلان ہے۔ لہٰذا یہ متعین ہوگیا کہ مغفرت یزید ممکن ہے اور جب مغفرت ممکن ہوئی تو پھر کیا مضائقہ ہے کہ اس کو حدیث مغفرت میں شامل مان کر مغفور لہم کا ایک فرد مان جائے۔

(۴۳) صفحہ ۱۵۶ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"اسی طرح یہاں بھی جہاد قسطنطنیہ کے سب شرکاء کے لئے وعدۂ مغفرت عام ہے مگر اسی طبعی شرط کے ساتھ کہ یہ لوگ اپنی قلبی کیفیات واعمال اور باطنی نیات وجذبات پر باقی ہیں ــــ لیکن اگر کسی کے قلبی احوال بگڑ جائیں اور تقویٰ کے وہ مقامات باقی نہ رہیں جو بوقت جہاد تھے تو طبعاً وہ حکم المغفرت کے کسی خاص فرد کے حق میں باقی نہ رہے گا۔"

مولانا کی اس عبارت کو پڑھ کر یزید کی وکالت کا خیال تو دل سے نکل گیا، البتہ خود اپنی فکر پڑ گئی کہ خدانخواستہ اگر اللہ تعالیٰ نے مولانا جیسے کسی شخص کے سپرد خفیہ انکوائری کردی۔ اور اس اللہ کے بندے نے بھی اسی طرح قلبی کیفیات واعمال اور باطنی نیات وجذبات اور تقویٰ کے مقامات دیکھ دیکھ کر مغفرت کا سرٹیفکٹ دینا شروع کیا تو پھر شاید جہنم کو بھی "ہل من مزید" کہنے کی نوبت نہ آئے گی نعوذ باللہ منہا۔

(۴۴) صفحہ ۱۵۷ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"ٹھیک اسی طرح جہاد قسطنطنیہ والی حدیث بشارت مغفرت عموم میں یزید بھی شامل تھا جس کے معنی یہ تھے کہ اس کے اس وقت کے احوال واعمال مقبول یا مغفور تھے جب وہ بدلے تو طبعاً وہ بشارت بھی اس کے حق میں باقی نہ رہی ــــ پس جب یزید کا حال اچھا تھا بشارت قائم تھی جب بدل گیا تو بشارت بھی اٹھ گئی۔ اب سوال اگر رہ جاتا ہے تو یہ کہ آیا یزید کے احوال بدلے یا وہی سابقہ باقی رہے؟ تو اس کا فیصلہ تاریخ نے کر دیا ہے کہ بدل گئے۔"

مولانا کے ارشاد کی تردید میری طرف سے نہ تو زیادہ مفید ہی ہو سکتی ہے اور نہ مناسب ہی ہوگی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہمارے ناظرین مولانا ہی کے قلم سے اس کی تردید بھی ملاحظہ فرمائیں اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۹ پر خود مولانا فرماتے ہیں کہ "اس وقت یزید کے وہ حالات ظاہر نہ تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے ــــ جن جن حضرات نے اس وقت اس کی ولیعہدی کو تسلیم کیا وہ بھی یزید کے "سر مکنون" کے ظاہر نہ ہونے کے سبب حق بجانب تھے) اور صفحہ ۱۶۲ پر مولانا حضرت مدنیؒ کی یہ عبارت نقل فرماتے ہیں کہ (اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ بد اعمالیاں وہ جو کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی)

ظاہر ہے کہ ان عبارات کا صاف مطلب یہی ہے کہ یزید فاسق فاجر تو روز اول ہی سے تھا،

لیکن خفیہ طور پر فسق و فجور کیا کرتا تھا جو تمام حضرات سے پوشیدہ تھا مگر خلیفہ ہونے کے بعد وہ خوب کھل کھیلا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ جب وہ پیدائشی اور مادر زاد فاسق تھا تو حدیث بشارت میں شامل ہونے کا مستحق تو وہ کسی وقت بھی نہیں تھا، لہٰذا یہ طول طویل بحثیں آخر کس لئے ہیں کہ وہ پہلے تو حدیث بشارت میں داخل تھا مگر بعد کو خارج ہو گیا۔ ہمارے مولانا نے جب اس کا "سر مکنون" تلاش فرما لیا تو اب یہ فرمانا کہ پہلے اس کے حالات اچھے تھے بعد کو بدل گئے بالکل بے بنیاد بات ہے۔

(۴۵) صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس سے بھی زیادہ واقعات سے اقرب اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ جہاد قسطنطنیہ سے یزید کی سابقہ سیئات کی مغفرت کردی گئی تو وہ مغفور لہم میں حقیقتاً داخل ہو گیا لیکن بعد کی سیئات کی مغفرت کا اس میں کوئی وعدہ نہیں تھا۔ "مغفور لہم" کو ایسا ابدی حکم سمجھنا کہ یزید کے مرتے دم تک کے تمام فسق و فجور کی مغفرت ہو گئی ــــ محض ذہنی اختراع ہے حدیث کا مدلول نہیں؟"

مولانا نے اس کو تو ذہنی اختراع فرما دیا مگر اپنی تصنیف فرمودہ توجیہہ کے لئے کچھ نہ فرمایا حالانکہ مولانا کی توجیہہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث مغفرت میں تو مغفرت کو مطلق رکھا گیا ہے جس کا ظاہر اور متبادر مطلب یہی ہے کہ یہ مغفرت تمام سیئات کے لئے ہو گی اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مغفرت کو مقید و محدود فرمانا چاہتے تو وہی عنوان اختیار فرماتے جو اس قسم کی بعض دوسری احادیث میں موجود ہے۔ مثلاً فرماتے کہ قسطنطنیہ کے جہاد میں شرکت ما قبل یا ماضی کے لئے مغفرت ہے۔

مولانا اگر ذرا سی تکلیف فرما کر بخاری شریف اور فتح الباری ملاحظہ فرما لیتے یا عباسی صاحب ہی کی کتاب کو غور سے دیکھ لیتے تو ان کو دوسری حدیث بشارت کے یہ الفاظ بھی مل جاتے:۔

اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا۔	میری امت کی پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس پر جنت واجب ہو گی۔ (بخاری شریف صفحہ ۴۱۰)

بحوالہ خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۴۲)

اور عباسی صاحب کی نقل کے مطابق فتح الباری میں اس کی تشریح یہ ہے (ای وجبت لھم بہ الجنۃ) اس تشریح کے مطابق تو تمام شرکاء جہاد کے لئے جنت واجب ہو گئی اور بقول ابن تیمیہ اس فوج کا ہر شخص مغفرت میں شامل تھا اور چونکہ یہ ارشاد نبوی پیش گوئی کے طور پر واقع ہوا ہے اس لئے اس میں تخلف بھی ممکن نہیں، چنانچہ اسی بناء پر حافظ ابن کثیر اس کو معجزہ دلائل نبوت ذکر فرماتے

ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اگر یزید اس فوج میں شامل تھا تو اس حدیث کی رو سے وہ بھی جنتی ہے اس کے لئے بھی مغفرت و جنت واجب ہے۔ اب رہا یزید کی شرکت جہاد کا ثبوت تو یہ شرکت ایسی واقعی اور یقینی ہے جس کا انکار نہیں بن پڑتا بلکہ ابن تیمیہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ اسی حدیث بشارت کی خاطر یزید نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا تھا۔

(منہاج السنۃ بحوالہ خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۴۲)

(۴۶) صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"پھر اسی صناعی سے عباسی صاحب نے مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عبارت تو نقل کردی جو انہوں نے امیر معاویہ کے انتخاب ولیعہدی پر ان سے ملامت دفع کرنے کے لئے تحریر فرمائی اور اس میں یزید کے بھی اس وقت کے اچھے حالات پر روشنی ڈالی کہ حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں (یزید) کو آزمایا جا چکا تھا تاریخ شاہد ہے کہ معارکہ عظیمہ میں یزید نے کار ہائے نمایاں انجام دئے الخ"

(خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۲۹ و صفحہ ۳۰)

"لیکن حضرت مولانا ہی کی آگے کی عبارت چھوڑ گئے جو یزید کے فسق و فجور سے متعلق تھی کہ:۔ اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان (حضرت معاویہؓ) کے سامنے نہ ہوا اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی؟"

(مکتوبات شیخ الاسلام صفحہ ۲۶۸ ۔ ۲۶۷)

ہمارے مولانا نے عباسی صاحب کی صناعی دکھانے کے لئے جو کوشش فرمائی وہ کچھ اس قسم کی ہے جس کے لئے فارسی میں "دیگراں را نصیحت و خود را فضیحت" کہا جاتا ہے۔ یعنی ہوا یہ کہ حضرت مدنی کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اس کو اپنے نظریہ کے خلاف دیکھ کر مولانا نے فوراً حضرت مدنی کا ایک دوسرا اقتباس پیش فرما دیا، مگر اس صنعت گری کے ساتھ کہ مولانا مدنی کا جو اقتباس عباسی صاحب نے پیش کیا تھا اس کے آخری جملے ہمارے مولانا کو بہت زیادہ خلاف نظر آئے تو انہیں نظر انداز فرما دیا، چنانچہ عباسی صاحب کے اقتباس میں ہم کو مولانا مدنی کے یہ جملے بھی نظر آتے ہیں: "خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ آمیز کے تخالف سے خالی نہیں؟ جن کو مولانا نے اپنے نظریہ و منصوبہ کے خلاف دیکھ کر اپنی کتاب میں نقل کرنا ہی مصلحت نہ جانا۔

اب حضرت مدنی نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کے متعلق بھی سن لیجئے ــــــــــــ

حضرت مدنیؒ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی حیثیت ایک توجیہہ سے زائد نہیں ہے جیسا کہ حضرت شاہ صاحب دہلوی اور حضرت نانوتوی و گنگوہی علیہم الرحمہ کے لئے بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے اور اس کے توجیہہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت گنگوہیؒ تو جو کچھ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یزید حضرت امیر معاویہؓ کی حیات میں اچھا تھا بعد کو اس کے حالات بدلے اور حضرت مدنیؒ یہ فرماتے ہیں کہ یزید کے حالات برے تو شروع ہی سے تھے مگر پہلے اس کی بداعمالیاں خفیہ ہوتی رہیں جن کی اطلاع لوگوں کو نہ تھی ان کا ظہور بعد کو ہوا۔ ان حضرات کے ارشادات میں یہ صریح تعارض اس کی کھلی دلیل ہے کہ ان کے فرمودات توجیہہ محض ہیں اور ان توجیہات کو حدیث بشارت سے یزید کو خارج کرنے کے لئے استعمال کرنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیث بشارت سے یزید کا اخراج نہ تو علامہ عینی کے بس کا ہے اور نہ قسطلانی و ابن منیر ہی کے اختیار میں ہے اور نہ مولانا کی "جماعت دارالعلوم" ہی کو جنت کی گیٹ کیپری سپرد کی گئی ہے کیا خبر جہاد قسطنطنیہ اپنی مخصوص اہمیت کی بنا پر یہ خصوصیت بھی رکھتا ہو کہ اس میں شرکت کرنے والوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ نے واجب ہی فرما دی ہو۔ پھر یہ توجیہہ بھی اس وقت ہے جبکہ یزید کے "کردار قبیح" کے سارے افسانے کچھ حقیقت بھی رکھتے ہوں ورنہ "آن را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک" (یعنی جب کہ نہیں تو ڈر کیا)

(۴۷) صـ۱۶۲ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"اس عبارت سے واضح ہے کہ مہلب اور دوسرے لوگ جنہوں نے یزید کی فضیلت یا خلافت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ ابن منیر اور قسطلانی کی نگاہوں میں مشتبہ اور مخدوش ہیں جس کو انہوں نے بنی امیہ کی حمایت بیجا پر محمول کیا ہے۔"

تعجب ہوتا ہے کہ آخر مولانا کے قلب مبارک تک سبائی پروپگنڈہ کس طرح پہنچ کر ایسا جاگزیں ہو گیا کہ وہ "بغض ابن معاویہؓ" میں اس طرح مبتلا ہو گئے کہ کسی اچھی بری بات کی تمیز تک نہیں فرما سکتے اور جو بات بھی ان کو مفید مطلب مل جاتی ہے اس کو نقل فرمانے میں ادنیٰ تامل سے بھی کام نہیں لیتے، مثلاً ابن منیر و قسطلانی وغیرہ کا یہ فرمانا کہ "مہلب وغیرہ نے اس حدیث سے یزید کی فضیلت پر جو استدلال کیا ہے اس کا منشا بنی امیہ کی بیجا حمایت ہے"۔ ظاہر ہے کس درجہ رکیک اور سخیف بات ہے کیونکہ اس کے جواب میں بہت آسان ہے کہ ترکی بہ ترکی کہہ دیا جائے کہ ابن منیر اور قسطلانی نے یزید کو حدیث بشارت سے خارج کرنے کے لئے جو کچھ کہا ہے وہ یزید کی بیجا دشمنی اور بنو عباس کی بیجا حمایت میں کہا ہے یا سبائیوں کے پروپگنڈے سے متاثر ہو کر کہا ہے جس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ

ان حضرات نے اپنے کلام میں یزید کو کافر و مرتد تک فرض کر لیا ہے۔ اب اگر بقول مولانا ان کے کلام کو حدیث رسول کا معارضہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک شخص کے لئے (بالفرض وہ بڑا زبردست گنہگار رہا ہو) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ جہاد قسطنطنیہ کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے گی یا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ اور ابن منیر و قسطلانی اس کی بیجا دشمنی میں یہ فرمائیں کہ یہ شخص مرتد و کافر ہے۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) گمان یہ ہے کہ ہمارے مولانا کو بھی ابن منیر و قسطلانی کی یہ بات گراں محسوس ہوئی تو انہوں نے یہ توجیہہ فرمائی کہ "پس اگر یزید اسلام سے مرتد نہیں ہوا تو بتصریح مورخین اسلام ان عمدہ کیفیات و احوال سے تو ضرور مرتد ہو گیا جو غزوۂ قسطنطنیہ کے وقت اس میں مان لی جائیں کیونکہ اس لئے ان کیفیات سابقہ کا حکم بھی اس کے حق میں باقی نہ رہا جو عموم بشارت سے قائم ہوا تھا"

(صـ۱۶۲)

مولانا کی اس توجیہہ کو اگر عذر گناہ بدتر از گناہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا یعنی ابن منیر و قسطلانی نے تو نفس ایمان ہی کی نفی کا دعویٰ فرما کر اس حدیث بشارت سے یزید کو خارج کیا تھا جو اصولی طور پر تو صحیح تھا مگر کلام صرف اس میں تھا کہ یزید کو کافر و مرتد کس طرح کہا جائے گا جبکہ وہ کافر و مرتد ہوا ہی نہیں تھا لیکن ہمارے مولانا نے تو اپنا معیار اور سخت فرما دیا اور کیفیات و احوال کے لحاظ سے بھی ارتداد کی ایک نئی شکل نکال کر یزید کے حکم ارتداد پر "جماعت دارالعلوم" کی بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

(۴۸) صـ۱۶۳ پر فرماتے ہیں کہ:۔

"ورنہ ہر نیک اور متقی یا "مغفور لہ" کو خلیفۃ المسلمین بھی ہونا چاہئے۔"

من ضحک ضحک جو دوسروں پر ہنستا ہے اس کی بھی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ مولانا مہلب کو اپنی ہنسی کا نشانہ بنا رہے ہیں مگر کیا مولانا اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خلافت کا جو دعویٰ فرمایا تھا اور حضرت صحابہ سے اپنی فضیلت و حق پر جو استشہاد فرمایا تھا اس کا منشا کیا تھا؟ کیا اس کا منشا یہی نہیں تھا کہ میں نیک اور متقی یا مغفور لہ ہونے کی وجہ سے خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس انداز سے دعویٰ اور استشہاد کا مطلب یہی تھا تو اب اس کی جواب دہی مولانا ہی کے ذمہ ضروری ہے کیونکہ استشہاد کو بڑے زور و شور کے ساتھ مولانا نے اپنی کتاب کے صفحات ۸۱ و ۸۲ پر نقل فرمایا ورنہ عباسی صاحب تو بقول ابن خلدون افضل کو چھوڑ کر

مفضول کے خلیفہ بنانے کو صحیح مانتے ہیں۔

(۴۹) صد ۱۶۵ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ صاحب عمدۃ القاری شارح بخاری نے مہلب کی اس مدح سرائی اور حمایتِ یزید پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے تسلیم ہی نہیں کیا کہ قسطنطنیہ کے جس غزوہ میں اکابر صحابہؓ شریک ہوئے تھے وہ یزید کی قیادت میں ہوا تھا جبکہ یزید اس کا اہل ہی نہ تھا کہ یہ اکابر صحابہ اس کی خدمت اور قیادت میں دے دیئے جائیں"

اس تمہید کے بعد مولانا نے عینی (یعنی عمدۃ القاری) کی عبارت نقل فرمائی جس میں "صاحب مرآۃ" سے نقل کیا گیا ہے کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا اور (ضعیف روایت کے طور پر) کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کے لئے ایک لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے"

چند سطروں کے بعد اسی عبارت میں کہا گیا ہے کہ :۔

"میں کہتا ہوں کھلی بات یہ ہے کہ ـــــ یہ اکابر صحابہؓ اس سفیان بن عوف کے ساتھ تھے یزید کے ساتھ نہ تھے کیونکہ یزید اس کا اہل نہ تھا کہ یہ بڑے بڑے صحابہ اس کی خدمت میں رہیں"

اس موقع پر بھی مولانا نے تھوڑی سی صناعی فرمائی ہے اور اس رد سے کو صاحب مرآۃ کی طرف منسوب کرنے کے لئے "میں کہتا ہوں" کے بعد "بین القوسین" "صاحب المرآۃ" کا اضافہ فرما دیا حالانکہ یہ کھلی ہوئی غلطیات علامہ عینی کی تھی مگر علامہ عینی کی طرف اس کی نسبت ہونے سے اس کا وزن شاید کچھ کم ہو جاتا اس لئے مولانا نے اس توجیہ کو صاحب مرآۃ کے سر رکھنا ہی مناسب خیال فرمایا اور یہ نہ سوچا کہ یہ توجیہ صاحب مرآۃ کی کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اسی عبارت میں صاحب مرآۃ سے اوپر نقل کیا گیا ہو کہ "زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ کا غزوہ ۵۲ھ میں کیا"

اور اسی عبارت میں یزید کی جگہ سفیان بن عوف کا جانا صیغۂ تمریض کے ساتھ ضعیف روایت کے طور پر نقل کیا گیا ہے بلکہ خود مولانا نے بھی صد ۱۶۸ پر اسی کو علامہ عینی کا قول تحریر فرمایا ہے اب جبکہ مولانا خود ہی اپنی تردید فرمانے میں تامل نہیں فرماتے تو دوسرے لوگ کس طرح چوک سکتے ہیں۔

(۵۰) صد ۱۶۸ پر فرماتے ہیں کہ :۔

"پھر یہ شرکت کس نوعیت کی تھی؟ سو اس پر ابن اثیر نے روشنی ڈال دی ہے کہ یزید اس

جہاد میں خود اپنے داعیہ سے شریک نہیں ہوا بلکہ اپنے والد بزرگوار کے حکم سے اور انہوں نے یہ حکم بھی اسے اگر دیا تو تعزیراً دیا تاکہ اس کی عیش پرستی پر کوئی زد پڑے"

مولانا کو "بغض ابن معاویہؓ" سے مجبور ہو کر اسے کافر و مرتد اور جہنمی ثابت کرنے کے لئے سارے ہی جتن تو کرنے پڑ رہے ہیں۔ چنانچہ جب اور باتوں سے کام چلتا نہیں دکھائی دیا اور یزید کی امارت و شرکتِ جہاد نا قابلِ انکار ٹھہری تو مولانا کو ضرورت محسوس ہوئی کہ یزید کی شرکت جہاد کی نوعیت پر غور فرمائیں اس سلسلہ میں مولانا کو نہ تو امام المورخین طبری اور نہ حافظ حدیث ابن کثیر، اس لئے ابن اثیر کے حوالے سے یہ نقل فرماتے ہیں کہ :۔

"یزید اس جہاد میں اپنی رغبت اور خوشی سے نہیں شریک ہوا تھا، بلکہ حضرت امیر معاویہؓ نے سزاءً اور تعزیراً زبردستی اس کو جہاد میں بھیج دیا تھا"

مولانا نے ابن اثیر کے اس من گھڑت افسانے سے یزید کی شرکت جہاد کی حقیقت پر روشنی تو ضرور ڈالی مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مولانا مدنی کے مندرجہ ذیل کلمات تاریکی میں پڑ گئے۔ فرماتے ہیں :۔

"حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں یزید کو آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارکہ عظیمہ میں یزید نے کار ہائے نمایاں انجام دیئے"

پھر لطف یہ کہ مولانا مدنیؒ کی یہ تاریخی شہادت ہمارے "حکیم الاسلام" کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ خود انہوں نے بھی اپنی کتاب میں اسے نقل فرما کر سکوت اختیار فرمایا ہے جیسا کہ نمبر ۴۴ میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اسی موقع پر اپنے مولانا کی ایک صناعی کا بھی اظہار ہوا ہے۔

(۵۱) صد ۱۶۸ پر (اسی سلسلے میں) فرماتے ہیں کہ :۔

"ظاہر ہے کہ جس کے یہ عیش پرستانہ مشاغل ہوں اور مجاہدین ملت سے بے پرواہی کے یہ جذبات ہوں اس میں قلبی داعیہ سے جہاد کی آرزو اور جاں سپاری کی تمنائیں کہاں سے آسکتی ہیں"

مولانا کے اس سوال کا جواب جو کچھ ہم عرض کر سکتے تھے اوپر عرض کر چکے۔ اب تو مولانا کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس کا جواب "عالم ارواح" کو اپنا مراسلہ بھیجکر "مجاہد اسلام" اور سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند" سے ہی طلب فرمائیں۔ ہم خوارج جماعت دارالعلوم "کیا عرض کر سکتے ہیں کیونکہ ہم اگر ایسی باتوں کو واقعی طور پر لائق جواب سمجھیں گے تو ہم کو حضرت حسینؓ کے بھائی عمر بن علیؓ "مجاہدین ملت" سے اس

بے پرنا ہی کا بھی جواب دینا ہو گا، جو ان سے جنگِ کربلا کے موقع پر حضرت حسینؓ کے ساتھ تخلف کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی وہ فرماتے ہیں :-

"میں ایک عقل مند و محتاط جوان ہوں اگر میں بھی ان (حضرت حسینؓ) کے ساتھ نکلتا تو ان کی طرح میں مارا جاتا۔"

(عمدۃ المطالب بحوالہ خلافت معاویہ ص۲۳۰)

اسی طرح اگر یزید کی شاعری کی جواب دہی بھی ہم اپنے لئے ضروری سمجھیں گے تو ہم کو خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ان اشعار کا بھی جواب دینا ہو گا جو انہوں نے (اپنی محبوب ترین زوجہ مطہرہ حضرت سیدہ رباب اور عزیز ترین صاحبزادی حضرت سیدہ سکینہ رحمۃ اللہ علیہما کے لئے) فرمائے تھے وہ اشعار یہ ہیں :-

لعمرك انني لاحب دارا ؛ تضيفها سكينة والرباب
احبهما وابذل بعد مالي ؛ وليس للائمي فيها عتاب
ولست لهم وان عتبوا مطيعا ؛ حياتي او يغيبني التراب

(طبری ج ۱۳ ص ۱۹۹۔ خلافت معاویہ ص۲۷۵)

(ترجمہ) "تیری عمر کی قسم میں اس گھر سے بلاشبہ محبت کرتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب میزبانی کرتی ہیں میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں پھر اپنا مال (ان پر) خرچ کرتا ہوں اور اس میں کسی ملامت کرنے والے (ناصح مشفق) کی ملامت کا کوئی موقع نہیں ہے — میں ان "ناصحین" کی بات زندگی بھر نہیں سننے کا یہاں تک کہ میں قبر میں چلا جاؤں۔"

(ترجمہ میں نقل کی پابندی نہیں کی گئی ہے)

اس لئے یزید کی شاعری پر اعتراض کا جواب صرف یہ ہے کہ "شعرش بمدرسہ کہ برد" آخر اس کے اشعار کو مدرسہ اور دارالافتاء تک کون لے گیا اور کیوں لے گیا۔

(۵۲) ص۱۷۳ پر فرماتے ہیں کہ :-

"نہ ہی حضرت "امام" ہمام کا یہ اقدام ان میں سے کسی ایک روایت کے خلاف پڑتا ہے کہ ان کے اس فعل پر ناجائز یا نامناسب ہونے کی تہمت لگائی جائے جو ڈوزی کے منہ میں گھس کر عباسی صاحب نے لگائی ہے۔"

عباسی صاحب ڈوزی کے منہ میں گھسے یا کہیں اور گھسے اس کو تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہم کو تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ ہمارے مولانا بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی زبانی حضرت حسینؓ کو "مجتہد مخطی"

کا مصداق ماننے کے لئے تیار ہیں (ملاحظہ ہو کتاب زیر بحث ص۱۲۱) بلکہ ص۱۷۲ پر خود بھی اقرار فرما چکے ہیں کہ "اگر کسی پہلو کی کوئی خطا اجتہادی ان کی طرف منسوب کر دی جاتی تو ان کی شان عالی کے منافی نہ ہوتی۔"

ظاہر ہے کہ مولانا جس بات کو خطا اجتہادی تک تسلیم فرمانے کے لئے تیار ہیں تو اسے نامناسب کہنے میں تو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کے کسی اقدام کو نامناسب کہہ دیا تو آخر "حکیم الاسلام" کو اس قدر طیش کیوں آ گیا کہ اس کے لئے ان کو "ڈوزی کے منہ میں گھسنے" کی تعبیر ہی پسند آئی اس موقع پر مجھے تو آتش کا یہ شعر یاد آتا ہے ؎

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

لیکن عباسی صاحب شاید مولانا کی خدمت میں یہ شعر پیش فرمانا پسند کریں :-

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خا را

(۵۳) ص۱۷۹ (جو غلطی سے ص۱۸۹ چھپ گیا ہے) پر فرماتے ہیں کہ :-

"یزید کا ذکر بذاتہٖ مقصود نہ تھا الخ"

بہت خوب مولانا نے یزید کا ذکر ضمناً فرمایا تو ۲۷ صفحات لکھ ڈالے خدانخواستہ اگر یزید کی شامت آتی اور مولانا مستقل طور پر اس کی سوانح عمری لکھتے تو خدا جانے کتنی جلدیں تیار ہوتیں۔

(۵۴) ص۱۸۰ پر فرماتے ہیں کہ :-

"ایک متقی اور فاجر کے عمل کی صورت یکساں ہوتی ہے مگر منشاء الگ الگ ہوتا ہے اس لئے باوجود صورت کی یکسانی کے حکم الگ الگ ہوتا ہے۔"

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ :-

"ایک ہی خطا فکری ایک نو آموز طالب علم سے سرزد ہو اور وہی خطا بعینہٖ ایک پختہ کار عالم سے سرزد ہو تو دونوں پر یکساں حکم عائد نہیں ہو گا۔ فرق کی وجہ وہی ان کے علمی اور فکری احوال کا فرق ہو گا۔"

مولانا نے فرق کی وجہ تو لکھ دی مگر خود فرق نہیں لکھا کہ ان دونوں میں کیا فرق ہو گا کہیں اس قسم کا فرق تو مولانا کی مراد نہیں ہے کہ ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں ؛ وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

یا مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ سے خطاء اجتہادی کا صدور ممکن ضرور ہے مگر جو ان میں سے نوعمر نوآموز رہے ہوں گے ان کی خطاء اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہو گی اور جو حضرات پختہ کار اور کبیر السن رہے ہوں گے ان کی خطاء اجتہادی کی نوعیت کچھ اور ہو گی۔ مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبیر السن اور پختہ کار صحابی تھے ان کی خطاء اجتہادی کی نوعیت اور رہی ہو گی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نوعمر صحابی تھے ان کی خطاء اجتہادی کی نوعیت کچھ اور رہی ہو گی۔

اگر مولانا کا مقصد کچھ اسی قسم کا ہے تو سخت تعجب ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کے درمیان صغرسنی وغیرہ کے فرق کو ملحوظ رکھنے کے تو مولانا قائل ہی نہیں ہیں ورنہ عباسی صاحب کا قصور ہی کیا تھا یہی تو تھا کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صغیر السن کہہ دیا تھا یا دوسرے اکابر صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں حضرت کے "اقدام خروج" کو نامناسب کہہ دیا تھا۔

آخر میں اپنی اس بدگمانی کا ذکر بھی کرنا پڑتا ہے کہ مولانا کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" کے صفحات ۱۷۲ تا ۱۷۹ کو دیکھ کر اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ جوابی "شاہکار دیانت" یا تو عباسی صاحب کی کتاب کو دیکھے بغیر ہی تیار کیا گیا ہے اور یا تمام ناظرین سے یہ بجا حسن ظن قائم کر لیا گیا ہے کہ وہ "تاج المعارف" اور حکیم الاسلام کا نام دیکھتے ہی سر تسلیم خم کر دیں گے اور اس عظیم دعوت فکر کی اجابت ضرور کریں گے اور کوئی بھی اللہ کا بندہ ان "غلط انتسابات طیبہ" کا اصل "تحریرات محمودہ" سے مقابلہ کرنے کی جسارت و ہمت نہ کرے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ہی صورتیں صد درجہ قابل افسوس ہیں جن کے باعث "جماعت دار العلوم" کی "دیانت مرحومہ" پر اگر خون کے بھی آنسو بہائے جائیں تو رونے کا حق ادا نہ ہو گا۔ "شہید کربلا اور یزید" پڑھ کر جو تاثرات پیدا ہوتے انہیں سپرد قلم کیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسی بات نوک قلم پر نہ آنے پائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ اس کے باوجود اگر کہیں کوئی بات کسی کی شان میں سخت الفاظ میں ادا ہوئی ہو تو اس کا منشاء بھی غیظ حق ہی ہو سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

"خلافت معاویہ و یزید" پر ترجمان القرآن (لاہور) کا تبصرہ

(از قلم مدیر ماہنامہ تجلی دیوبند)
شمارہ جون و جولائی ۱۹۶۱ء

(۱)

ابھی اپریل ۱۹۶۱ء کے ترجمان القرآن میں "خلافت معاویہ و یزید" پر جو تبصرہ آیا ہے اسے پڑھ کر ہم خود کو مجبور پاتے ہیں کہ اس پر کچھ گفتگو کریں۔ دینی و علمی پرچوں میں ماہنامہ ترجمان القرآن کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ تبصرہ اگرچہ مولانا مودودی کے قلم سے نہیں ہے، لیکن ان عبد الحمید صدیقی کے قلم سے ضرور ہے جو اکثر اس ماہنامے کے شذرات لکھا کرتے ہیں (اپریل ۱۹۶۱ء کے شذرات بھی انہی کے ہیں) اور دینی و علمی موضوعات پر ان کی سنجیدہ قلمی معروف و مقبول ہے۔ ان کا تبصرہ اور ترجمان القرآن کے صفحات ان دونوں چیزوں نے معاملہ کو اس حد تک اہم بنا دیا ہے کہ اپنا خاموش رہنا ہمیں علمی دیانت اور احساس ذمہ داری کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔ یہ بات لڑائی جھگڑے کی نہیں۔ تبادلۂ خیال اور افہام و تفہیم کی ہے ہم نے مولانا مودودی کی بھی اس سلسلہ کی ایک تحریر پر نومبر ۱۹۶۰ء کے تجلی میں اپنی معروضات پیش کردی تھیں، اب محترم عبد الحمید صدیقی صاحب کے حضور بھی کچھ عرض پرداز ہوتے ہیں۔ کیا عجب ہے اس طرح کی گفتگوؤں سے ہمیں بھی اپنے بعض خیالات کی اصلاح کا موقع مل جائے اور یہ بھی عجب نہیں کہ دوسرے ہی لوگ ہماری بعض معروضات سے اثر پذیر ہو سکیں۔

تبصرہ ترجمان القرآن کے بارہ سے زیادہ صفحات پر کیا گیا ہے۔ سیر حاصل جائزے کے لئے کم از کم چار گنے صفحات ضرور چاہئیں۔ تجلی کی تنگ دامانی سے ہم بے بس ہیں اس لئے کوشش کریں گے کہ گفتگو زلف جاناں نہ بن جائے۔ "خلافت معاویہ و یزید" جناب محمود احمد عباسی صاحب کی تصنیف ہے۔ ذمہ تو

اپنی کاہے کہ اپنے ناقدین سے پنجہ کشی کریں یا نہ کریں لیکن تبصرے میں ہم نے بھی اس کتاب کو سراہا تھا اور پھر ہمیں اس موضوع کی بحثوں میں سر مارتے رہتے ہیں اس لئے کوئی مضائقہ نہیں اگر پھر تھوڑا وقت اس موضوع کی نذر کر دیا جائے۔ فتنہ معمولی نہیں ہے۔ رفض و تشیع نے عقائد کی جڑوں سے لے کر ٹہنیوں اور برگ و بار تک جو زہر پھیلایا ہے اس پر بڑے بڑے اساطین مطمئن ہو بیٹھے ہیں۔ اچھے اچھے بالغ نظر علماء کا یہ حال ہے اور پہلے بھی رہا ہے کہ بعض ایسی روایات و اخبار کو انہوں نے مسلمہ حقائق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا ہے، جنہیں بعض لوگوں نے خاص مقاصد کے تحت صدفی صد گھڑ اٹھایا شکل سے دس فیصدی ان میں حقیقت تھی اور نوے فیصدی افسانہ طرازی اس وائرہ سائز فریب خوردگی کا دبیز پردہ چاک کرنے کے ارادے سے اگر کوئی شخص جرأت رندانہ کا مظاہرہ کرتا ہے تو ضروری نہیں کہ

یہ جرأت ہر پہلو سے بے عیب ہی ہو نقص و عیب لبشریت کا جزو لاینفک ہے۔ محمود احمد عباسی بشر ہیں فرشتے نہیں۔ ہو سکتا ہے حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ان کے خیالات کسی پہلو سے قابل اصلاح ہوں۔ ہو سکتا ہے رفض و شیعیت کی لامتناہی فساد انگیزیوں کے رد عمل میں وہ ذہنی تشدد، فکری بے اعتدالی اور عذبات تعصب سے بھی ملوث ہو گئے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا تحقیقی زاویہ نظر تھوڑا بہت کج ہو لیکن جو معاندانہ سلوک بعض حلقوں میں ان کی جرأت رندانہ سے کیا گیا ہے وہ منصفانہ نہیں ظالمانہ ہے۔ اس میں اعتدال نہیں اشتعال ہے۔ جناب امام الدین رام نگری کو چھوڑ کر کہ ان جیسے اشتعال پذیر آدمی سے اس سے بہتر کی امید نہیں ہو سکتی۔ نیز وہ علمی و فکری اعتبار سے جس سطح کے آدمی ہیں وہاں سے اس نوع کے غیر معمولی موضوعات کی گہرائی ناپی بھی نہیں جا سکتی۔

جناب ماہر القادری صاحب کے طرز و اسلوب پر بھی تعجب نہیں۔ وہ بے حد مخلص ہیں اور ان کا اخلاص جہاں جہاں گہری عقیدت کی سرحد سے جا ملا ہے وہاں وہاں دلیل و شہادت کی کوئی بھی منطق ان پر کارگر نہیں ہو سکتی، وہ قلب کی پوری اخلاص مندی کے ساتھ فیصلہ ... یزید ظالم تھا، بداعمال تھا، لعین و شقی تھا، اب ہزار دفتر بھی اس فیصلے کے خلاف جمع کر دئے جائیں تو وہ ٹس سے مس نہیں ہوں گے انہیں اپنی عقیدت حسینؓ میں معصوم اور معذور سمجھنا چاہئے۔

مہتمم دار العلوم دیوبند جناب مولانا محمد طیب صاحب کا گلہ بھی بیکار ہے۔ وہ اول تو مدرسہ کی مصالح سے مجبور رہتے۔ مہتمم کی حیثیت میں مدرسہ کے مفاد کو ہر شے پر مقدم رکھنا ان کا فرض منصبی ہے اور مدرسہ کا مفاد اسی میں تھا کہ محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب کو مردود قرار دیا جائے۔

دوسرے ایک اور بھی طاقت ور داعیہ تھا جس نے ان کے قلم کو ردِ عباسی پر آمادہ کیا۔ اسے دور کے لوگ نہیں سمجھ پائیں گے اور سمجھ بھی گئے تو مشکل سے یقین کریں گے۔ ان کے عالی قدر صاحبزادے نے "تاج المعارف" کے نام سے ایک پبلشنگ ادارہ قائم کر رکھا ہے۔ اس سے وہ ہر دوسرے چھینے اپنے والد کی ایک کتاب چھاپتے ہیں اور ممبروں کو وی پی کے ذریعے فروخت کرتے ہیں۔ عباسی صاحب کی کتاب ہندوستان میں چھپی تو دیوبند ہی سے اس زور شور کے ساتھ فروخت ہوئی کہ یہاں کے تاجران کتب کی آنکھیں پھیل گئیں۔ پیشہ ورانہ رشک و حسد کی کہانی کون نہیں جانتا، پھر موقعہ شناسی بھی تجارت میں بڑی چیز ہے، ہم طنزاً نہیں بلکہ حقیقتاً صاحب تاج المعارف کو موقعہ شناسی کی داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد محترم کو بروقت ردِ عباسی پر آمادہ کیا اور یہ اندازہ لگانے میں غلطی نہیں کی کہ عباسی صاحب کی کتاب کے ہنگامہ خیز قبول و شہرت کا کاروباری فائدہ اس کے رد میں چھپنے والی کتاب کو بھی ضرور پہنچے گا۔ اگرچہ یہ اندازہ بڑے پیمانہ پر برگ و بار نہیں لایا۔ تاہم مہتمم صاحب کی کتاب عام مطبوعات سے دوگنی تو نکل ہی گئی۔ اگر علم و تحقیق کے اعتبار سے یہ جاندار ہوتی تو شاید تیسرا اور چوتھا ایڈیشن بھی چھپ جاتا۔

تیسری وجہ مہتمم صاحب کا گلہ نہ ہونے کی یہ ہے کہ خطبہ و وعظ کا سرسبز میدان علمی و تاریخی تحقیق کے سنگلاخ میدان سے بہت دور اور بہت مختلف ہے۔ ایک بڑا ادیب و فلسفہ منطق کے میدان میں دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ ایک ریاضی داں شعر و ادب کے میدان میں نکل آئے تو مذاق کا موضوع بن جائے گا۔ وعظ کے پُر بہار میدان میں ہر طرح کی جذبات خیز روایتیں خوب چلتی ہیں، چٹکلے اور لطیفے بھی بہار دیتے ہیں، جی نکا دینے والی تمثیلیں اور رلا دینے والی حکایتیں بھی رنگ جماتی ہیں۔ مگر تاریخی و علمی تحقیق کا میدان ان تمام دلچسپیوں سے خالی اور جذبات کے نخلستانوں سے محروم ہے۔ وہاں بھورے پتھر، گرم ریت اور چٹیل راستے ہیں صبر آزما گھاٹیاں ہیں۔ بگولے اور ہوائے گرم کے جھونکے ہیں۔ میدان وعظ کا شہسوار وہاں آ نکلے گا تو لب ہلاتے فطرت کو خندۂ استہزاء کے سوا کچھ نہیں دے گا۔

(✻)

حاصل یہ کہ شکوہ ہر اس شخص کا نہیں جس نے عباسی صاحب کی کتاب کو نفرت و حقارت کے ساتھ رد کیا ہے، لیکن شکوہ ایسے لوگوں کا ضرور ہے جن سے بلند و برتر توقعات کی گنجائش تھی جو وسیع النظر کے اہل ادب لاگ فکر و نقد کے علمبردار تھے، انہی میں سے ترجمان القرآن والے جناب عبد الحمید صدیقی

صاحب بھی ہیں۔ انہوں نے تبصرہ کا آغاز ہی "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف کو اندھی اور یک رخی عقیدت یزید کا شکار قرار دینے سے کیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں :۔

"یوں نظر آتا ہے کہ فاضل مصنف نے سب سے پہلے اپنے ذہن میں یزید کی نیکی اور پاکبازی کا تصور جما لیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے مختلف کتب کی ورق گردانی کی"

یہ ریمارک بجا ہے یا بیجا، یہ الگ بحث ہے، بڑے ادب سے کہنا ہے کہ علمی نقد و نظر کے ترقی یافتہ معیار کو صدیقی صاحب ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے، کیا کسی ایسے کارنامے پر جو تحقیق اور ریسرچ کے نام سے پیش کیا گیا ہو اسی فیصلہ کن انداز مخالفت کے ساتھ ساتھ نقد و نظر کا آغاز ہونا چاہئے مان لیا کہ مصنف کے ذہن میں یزید کی نیکی و پاکبازی کا تصور جما ہوا ہے۔ لیکن یہ تصور ماحول یا نسلی و ذہنی تصورات کا پیدا کردہ نہیں ہو سکتا۔ ماحول تو ہر مسلمان کو شعور کی آنکھ کھولتے ہی حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لئے بے پناہ عقیدتوں کا تحفہ عطا کرتا ہے اور یزید کی نفرت گھٹی میں گھول کر پلائی جاتی ہے۔ اگر اس ماحول میں کسی بندۂ خدا کے ذہن یزید کے لئے حسن ظن نے جڑ پکڑی ہے تو بے لاگ تبصرہ نگار کو گہری متانت کے ساتھ تجسس کرنا چاہئے کہ اس کے اسباب کیا ہیں اور جو دلائل و شواہد اس حسن ظن کی تقویت میں اس شخص نے پیش کئے ہیں انہیں حسن ظن کے لئے کافی وجہ جواز سمجھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یہ کہنا کہ :۔

"انہیں اپنے اس تصور کی تائید میں جو کمزور سے کمزور دلیل بھی فراہم ہوتی اسے بلا تکلف نقل کرتے چلے گئے اور اپنے اس نظریہ کے خلاف اگر مضبوط سے مضبوط چیزیں بھی ملیں تو انہیں "شیعت نوازی" کہہ کر یکسر نظر انداز کر دیا گیا"

جلد بازی کا مظاہرہ ہے، آپ جن دلائل کو اپنے علم و عقیدے کی رو سے کمزور اور جن چیزوں کو مضبوط سے مضبوط قرار دے رہے ہیں انہی کے متعلق تو یہ شخص ایک پوری کتاب سامنے رکھ کر گزارش کر رہا ہے کہ صدیوں کے فاسد پروپگنڈے نے آپ کو متعارض دلائل کے ضعف و قوت کا اندازہ بالکل غلط کرا دیا ہے، قدح یزید کی شہادتیں مقدار میں کثیر ہیں، اس لئے آپ نے طے کر لیا ہے کہ ہر کثیر شے قوت میں بھی زیادہ ہی ہوگی۔ حالانکہ بعض ایٹم ننھے ذرے ہزاروں ٹن لوہے کے انبار سے زیادہ قوت کے امین ہوتے ہیں۔ آپ نے قدح یزید کی روایات کا عام پھیلاؤ دیکھ کر فیصلہ کر لیا ہے کہ ان کا وزن بہت زیادہ ہوگا۔ حالانکہ پچاس فٹ کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی روئی اس لوہے اور پتھر سے

آدھا وزن بھی نہیں رکھتی جو محض پانچ فٹ کے طول و عرض میں سمایا ہوا ہے۔

یہ گزارش حق تھی یا ناحق اسی کو بارگاہ علم و تحقیق میں پہلے طے کرنا تھا، اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نکلتی تھی کہ اس شخص نے کمزور دلائل پر تکیہ کیا اور مضبوط شہادتیں نظر انداز کر دیں، آپ اپنے ہی تصورات و خیالات کے پیمانوں کو صحیح و غلط کا آخری معیار قرار دے کر اور جن تصورات و عقائد کا معاملہ فیصلہ طلب ہے، انہی کو بنیادی دلیل بنا کر تبصرے کا آغاز کریں گے تو عدل و تحقیق کا حق کیسے ادا ہوگا۔

آپ نے چند مثالوں اور دلیلوں سے جس سطحی انداز میں عباسی صاحب کو محرف اور بددیانت ثابت کرنا چاہا ہے وہ عام قسم کی کتابوں کے تبصرے میں تو گوارا کیا جا سکتا ہے لیکن ایک اس طرح کی کتاب کے تبصرے میں جو صدیوں کے جامد و مقبول تصورات کے خلاف ایک سنگین چیلنج بن کر سامنے آتی ہے۔ اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں مانی جا سکتی۔ یہاں ذرا گہرائی، تعمق اور جفاکشی کی ضرورت تھی۔ آپ کہتے ہیں اور بعض لوگ بھی کہتے ہیں کہ عباسی صاحب نے "البدایہ والنہایہ" سے مدح یزید کی عبارتیں تو نقل کر دیں، لیکن قدح یزید کے فقرے چھوڑ دئے۔ چلئے ٹھیک ہے۔ کیا ہم کسی امریکن کسی جرمن کسی یورپین کی کتاب سے وہ عبارتیں بصد شوق نقل نہیں کر دیتے ہیں جن میں ہمارے پیغمبر صلعم ہمارے اسلام اور ہمارے کسی خلیفۂ راشد کی توصیف ہو۔ اس وقت یہ کوئی نہیں کہتا کہ تم بددیانت اور محرف ہو۔ اسی کتاب میں تمہارے پیغمبر تمہارے اسلام کے خلاف یہ بھی لکھا ہوا ہے اسے کیوں نہ نقل کیا۔ فقط تعریفی فقرے کیوں لے اڑے۔

"البدایہ والنہایہ" قرآن نہیں ہے کہ اس کا حرف حرف وحی ہو۔ یہ ایک غیر معصوم کی تالیف ہے جس کی کچھ باتیں مانی بھی جا سکتی ہیں اور رد بھی کی جا سکتی ہیں۔ ایک شخص تاریخ کے گوناگوں دفتر کی چھان بین کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یزید کی شخصیت کو ایک گروہ نے ابتداء ہی میں تاک لیا ہے اور اپنی آئیڈیالوجی کے فروغ کی خاطر اس سے ہر برائی منسوب کر دینا فرض منصبی قرار دیا ہے۔ یزید اس باپ کا بیٹا ہے جس نے حضرت علیؓ کی مطلق العنانی قبول نہیں کی تھی اور میدان کارزار میں ثابت کر دکھایا تھا کہ امور مملکت کے حسن انصرام کا تاج اسی کے سر کو زیادہ زیب دیتا ہے۔ حضرت علیؓ کے غالی شیدائیوں کو یہ تلخ حقیقت کیونکر ہضم ہوتی۔ انہوں نے دروغ و افترا کی فیکٹری کھول دی اور جب مشیت ایزدی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید پر غالب آنے کا موقع نہیں دیا تو یہ چوٹ ان عاشقان اہل بیت کے زخموں پر اور بھی نمک کا کام کر گئی۔ واقعہ سخت تھا۔ تمام ہی مسلمان

سبطِ رسول سے محبت رکھتے تھے۔ کذب و اتہام کی کھیتی کو کھاد مل گئی جس نے جو چاہا یزید کے خلاف اڑایا اور سبطِ رسول کی بیکسانہ شہادت کے تاثر میں جھوٹے افسانے واقعہ مان لئے گئے۔

یہ ماضی کے دبیز پردوں میں چھپی ہوئی حقیقت اگر ایک شخص کو روایات و اخبار کی بے محابا تنقید اور کڑے جائزے پر آمادہ کر دیتی ہے تو وہ یہ پوزیشن کیسے اختیار کرے گا کہ البدایہ والنہایہ یا کسی بھی کتاب سے ان عبارتوں کے ساتھ ساتھ جنہیں وہ مبنی بر حقائق سمجھتا ہے وہ عبارتیں بھی نقل کر دے جو اس کی نظر میں کذب و افترا پر مبنی ہیں۔ ابن کثیر اگر یزید کی مدح کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ شہوات کی طرف مائل تھا اور نماز کے معاملہ میں متساہل تھا تو مذکورہ شخص کیوں نہ یہ باور کرلے کہ جھوٹے پروپگنڈے کا کچھ حصہ ابن کثیر کو بھی تھپکی دے گیا ہے۔ ابن کثیر کوئی عینی شاہد تو نہیں ہیں سیکڑوں سال بعد وہ ماضی کی داستان سپردِ قلم کر رہے ہیں۔ ابتدا ہی میں تاریخ کے سرچشمے کو کذب و افترا کی غلاظت سے بھر دیا گیا ہو تو ضروری نہیں ہے کہ محتاط سے محتاط چھاننے والا بھی ایسا پانی نتھار لائے جس میں غلاظت کا کوئی میل ہی نہ ہو۔ پھر ابن کثیر تو زیادہ احتیاط کے مدعی بھی نہیں۔ وہ خود ہی کہہ گئے ہیں کہ کتنی ہی روایتیں میں نے اس لئے نقل کر دی ہیں کہ انہیں فلاں فلاں صاحب نے درجِ کتاب کیا ہے۔ اور یہ فلاں فلاں صاحب تمام علمائے محققین کے نزدیک اس درجہ کے ہیں کہ ان کی کتابوں میں رطب و یابس اور صحیح و غلط سب کچھ درج ہو گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی تاریخ میں سو روایتیں یزید کی قدح میں ملیں اور دو روایتیں مدح میں تو عین قرینِ قیاس ہے کہ یہ دو روایتیں قابلِ قبول ہوں اور سو کی سو قابلِ رد۔ کیونکہ ایک ہمہ گیر اور طوفانی پروپگنڈے کی موجودگی میں بھی مدحِ یزید کی کوئی روایت بچی رہ گئی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یزید کے بعض اوصاف بہت ہی نمایاں اور مسلم الثبوت تھے کہ ان کی روایت کو قہرمانی پروپگنڈے کا سیلاب بھی نہ ڈبو سکا اور جو لوگ یزید کی قدح کو عین حق سمجھتے ہیں وہ بھی ان روایتوں کے ذکر پر مجبور ہو گئے۔ سخت افسوس ہے ان اہلِ علم پر جو کربلائی روایات کے سلسلہ میں تواتر اور اجماع وغیرہ کی اصطلاحیں بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ انہیں نفرت و عقیدت کی کشاکش میں اس بنیادی نکتے کو نہیں بھولنا چاہئے کہ منبع اور سرچشمہ غیر مشکوک ہو تبھی تواتر و اجماع وغیرہ کی مقدس اصطلاحیں قابلِ استعمال ہوتی ہیں۔ اگر تاریخِ کربلا کا منبع ہی مشکوک اور مشتبہ ہے تو سارا عالم مل کر بھی فسقِ یزید کو تواتر و اجماع کی اصطلاحی تقدیس سے مربوط نہیں کر سکتا۔

البدایہ والنہایہ کے تعلق سے جو بھی اعتراض صدیقی صاحب نے کئے ہیں ان پر تفصیلی گفتگو

تو لمبے چوڑے نقل و اقتباس کی متقاضی ہے۔ ہم صرف اتنا ہی کہیں گے کہ عباسی صاحب اگر البدایہ والنہایہ کی بس انہی عبارتوں کو لائقِ نقل سمجھتے ہیں جن سے مدحِ یزید کا پہلو نکلتا ہے تو یہ اس حسنِ ظن کی روشنی میں بددیانتی نہیں کہلائے گا جو انہیں اپنی تحقیق کے نتیجے میں یزید سے پیدا ہوا ہے اور اس تحقیق کو انہوں نے اپنی کتاب میں شرح و بسط سے پیش کر دیا ہے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کی منقبت میں اگر ہمیں شیعی لٹریچر سے بھی کوئی پیراگراف ملے تو ضرور اسے ہم نقل کریں گے، لیکن ان تمام موشگافیوں کو قطعاً نظر انداز کر دیں گے جن سے ابوبکرؓ و عمرؓ کی مذمت نکلتی ہو۔ یہ بددیانتی نہیں بلکہ تحقیق اور اثباتِ مدعا ہی کا ایک اسلوب ہے جو اجنبی ہے نہ حرام۔

یہ بھی ایک سفسطہ ہے کہ اگر عباسی صاحب اپنے اثباتِ مدعا میں کسی کتاب سے جگہ جگہ عبارتیں نقل کرتے ہیں یوں کہہ دیا جائے کہ وہ اس کتاب کو اصلی ماخذ تسلیم کرتے ہیں اور پھر اس کتاب سے ان کے خلافِ مدعا کوئی بات نقل کر کے یہ فیصلہ دیا جائے کہ اسے بھی صحیح مانو ورنہ تمہارا باقی استشہاد بے معنی ہوا۔ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کے تمام مندرجات نہ صحیح ہیں نہ غلط دونوں ہی نوع کی چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ جو شخص تحقیق کے بعد فیصلہ کر چکا کہ یزید کی قدح سرتاسر کذب و افترا پر مبنی ہے اور یزید میں از راہِ بشریت کچھ خامیاں تھیں بھی تو انہیں سو اور ہزار سے ضرب دے کر پھیلایا گیا ہے تو وہ کیسے ابن کثیر یا کسی بھی مورخ کی ان روایتوں یا راویوں کو وقیع مان لے گا جن کے تار و پود فریب خوردگی اور زود اعتباری سے بنے ہیں اور جن کے ڈانڈے اسی فاسد سرچشمے سے ملے ہوتے ہیں جسے ابو مخنف اور ہشام کلبی جیسے نام نہاد قصہ طرازوں نے اپنے کپڑے دھونے کا تالاب بنا چھوڑا تھا۔

—— (✲) ——

آپ فرماتے ہیں:۔

"عباسی صاحب یزید کی منقبت میں صحیح البخاری کی یہ حدیث تو نقل فرماتے ہیں کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گی ان کے لئے مغفرت ہے"

مگر کیا وہ دوسری حدیث ان کی نظر سے نہیں گزری جسے صاحبِ روح المعانی نے طبرانی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے:۔

"اے اللہ جنہوں نے اہلِ مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوف زدہ کیا اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور

پوری نوعِ بشری کی لعنت ہو۔ ان کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی ان سے فدیہ قبول کیا جائیگا؟

یہ انداز بقصو کئی اعتبار سے ناخوشگوار ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بخاری حدیث کی مقبول ترین کتاب ہے۔ اس سے اگر کوئی روایت راویوں کی تصریح کے بغیر بھی نقل کر دی جائے تو اسے عموماً قابلِ اعتماد مانا جاتا ہے۔ لیکن طبرانی کا یہ پایہ نہیں، طبرانی سے اگر کوئی مفسر ایک روایت نقل کر دیتا ہے تو وہ اتنی وزن دار نہیں ہو جاتی کہ اس کی فنی حیثیت معین کئے بغیر ہی اسے بخاری کے مقابلہ پر پیش کر دیا جائے۔ یہ سیدھی سی بات ہے جسے فن کے مبتدی بھی جانتے ہیں۔ آپ کے خیال میں اگر طبرانی کی یہ روایت ایسے ہی مفہوم کی حامل ہے کہ اس کے بعد بخاری کی مذکورہ حدیث کو نقل کرنا اور اس سے دلیل پکڑنا جرم بن جاتا ہے تو اس مفہوم کی توضیح سے پہلے ہی آپ کو یہ بھی واضح کرنا چاہتے تھا کہ فن کے اعتبار سے یہ روایت بخاری کی ٹکر کی ہے۔ اس کے بعد مفہوم کی توضیح کر کے یا تو بخاری کی روایت کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتے یا پھر تطبیق کی راہ دکھاتے۔ لیکن جو انداز آپ نے اختیار کیا ہے وہ تو انکارِ حدیث کے اس دورِ پُرفتن میں بڑے خراب تاثرات پیدا کرنے والا ہے۔ جو لوگ انکارِ حدیث کی آفت میں مبتلا ہیں یا ابھی پوری طرح تو مبتلا نہیں ہوئے ہیں مگر مذبذب ضرور ہیں وہ آپ کا تبصرہ پڑھ کر اس کے سوا کیا سوچیں گے کہ یہ حدیث کا قصہ تو عجیب ہے۔ ایک صاحب حدیث کی صحیح ترین کتاب سے کوئی حدیث پیش کرتے ہیں تو دوسرے صاحب حدیث کی ایک نسبتاً کم رتبہ کتاب سے دوسری حدیث پیش کر کے یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں کہ یہ دوسری حدیث پہلی کی ضد ہے اور پہلی حدیث سے استدلال کرنا جرم ہے۔ یہ بات معقول ہو سکتی تھی اگر دوسری حدیث کو دلائل سے معتبر اور پہلی کو غیر معتبر ٹھیرا دیا جاتا، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ پہلی کو بھی معتبر ہی مانا جا رہا ہے اور دوسری کی صحت پر بھی اصرار ہے اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے رسول متضاد باتیں کرتے رہے ہیں اور امت کا فرض ہے کہ اس تضاد کو عینِ دین مانے اور تاویل و تطبیق کی کوئی ضرورت نہ سمجھے۔

—— (٭) ——

دوسری بات یہ ہے کہ طبرانی والی روایت کو پیش کرنے کا مطلب اگر یہی ہے کہ آپ کے نزدیک یزید اہلِ مدینہ پر ظلم کرنے والوں میں تھا تو ایسی کوئی مثال پیش فرمائیں کہ افرادِ معین کے لئے کی ہوئی اللہ کے رسول کی پیشین گوئی خود حضور ہی کے کسی ایسے ارشاد سے معطل اور بے اثر ہو گئی ہو جس میں معین افراد و اشخاص کا ذکر نہ ہو، بلکہ حکمِ عام بیان کیا گیا ہو۔ شیعہ حضرات کے یہاں تو بے شک یہ منطق ملتی ہے کہ بلا سے خلفائے ثلاثہ کے لئے جنت کی بشارت زبانِ پیغمبر سے صادر ہو چکی ہو لیکن ان لوگوں نے چونکہ

وہ بُرے افعال کئے جن پر سزا کا لزوم دیگر احادیث اور آیاتِ قرآنیہ سے ہوتا ہے لہذا بشارت معطل ہوئی اور یہ سزاوارِ عذاب ٹھیرے۔

مگر ہم اہلِ سنت تو ایسا نہیں سمجھتے۔ ہمارا طرزِ فکر تو یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کا قول اصل ہے باقی ہر چیز اس کے تابع۔ اللہ کا رسولؐ اگر کہتا ہے کہ فلاں جماعت کی مغفرت طے ہو گئی تو ہم تاریخی لن ترانیوں کے ذریعہ اس مغفرت کو ڈائنامیٹ نہیں کر سکتے، بلکہ تاریخ کو قولِ رسول کا تابع بنائیں گے اور طے کر لیں گے کہ ہر وہ تاریخی کہانی جھوٹی ہے جو اس جماعت کے کسی فرد کے ساتھ ایسے فعل و عمل کو منسوب کر رہی ہو جس کے ارتکاب سے مغفرت محال ہو جائے۔

اسی جہادِ قسطنطنیہ والی جماعت کو لیجئے، تاریخ نہیں بتاتی کہ اس میں کوئی فرد مرتد ہو گیا ہو لیکن اگر وہ بتاتی تو ہم اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے رسول کی پیشین گوئی غلط ہو جائے۔ اس جماعت کا ایک فرد بھی مغفرت سے محروم رہا تو پوری پیشین گوئی کا انکار اسی طرح لازم آتا ہے جس طرح قرآن کی ایک سورۃ کا انکار پورے قرآن کے انکار کو مستلزم ہے۔ ہاں یہ کہہ دیجئے کہ بخاری والی روایت کو ہم قولِ رسولؐ نہیں سمجھتے یا اس کی حیثیت پیشین گوئی کی نہیں ہے تب بحث کا رخ بدل جاتا ہے۔ مگر جب تک آپ یہ نہ کہیں گے اس رخ سے ہم گفتگو نہیں کریں گے۔

—— (٭) ——

تیسری بات یہ ہے —— اور خاصی افسوسناک ہے کہ طبرانی والی روایت آپ نے اس مفروضے کی بنیاد پر پیش کر دی ہے کہ یزید کے بارے میں اہلِ مدینہ کے ساتھ ظلم و سفاکی اور سیاہ کاری و بربریت کی جو کہانیاں شائع و ذائع ہو گئی ہیں وہ سب سچی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگر اہلِ بصیرت کے اس حلقے سے بھی جو اپنے فکری تنور، معقولیت پسندی اور تحقیقی مزاج کے لئے مشہور ہے۔ ایسی سادگی کا مظاہرہ ہو تو بڑے تعجب کا مقام ہے۔ آپ نے البدایہ والنہایہ سے ایک عبارت نقل فرما دی اور اپنا یہ یقین و تاثر بھی سپردِ قلم کر دیا۔

"مدینے کو مباح قرار دینے کے بعد جو ظلم و ستم ڈھائے گئے عورتوں کی جس طرح عصمت دری کی گئی اور معصوم بچوں کو جس طرح قتل کیا گیا اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں ہی موجود ہے۔ یہ ساری داستان اتنی دل فگار ہے کہ آج بھی اس کے پڑھنے کے بعد جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں عباسی صاحب نے اس طرف کیوں توجہ نہیں

دی ؎

لیکن کیا آنجناب نے کبھی خود بھی اس تحقیق کی زحمت فرمائی کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں سے ایک قرن کے مسلمانوں کو بدترین قسم کے ذلیل و متعفن جرائم کا مرتکب قرار دینے والی یہ ظلم و درندگی کی گندی کہانی آپ تک پہنچی کس طرح اور اس کی صداقت کا اثبات تو کجا محض امکان ہی کس حد تک قابل تسلیم ہے۔

حکومت قائمہ کی اطاعت سے انکار کرنے والے قبیل سے گروہ کی سرکوبی کو اگر جنگ کہا جاسکتا ہے تو چلئے عبداللہ ابن زبیر کے خلاف یزید کا عسکری اقدام جنگ ہی سہی مگر یہ کوئی نئی جنگ نہیں تھی۔ جسے مسلمانوں نے پہلی بار لڑا ہو۔ اس سے پیچھے اور آگے مسلمانوں نے بے شمار جنگیں لڑی تھیں امصار و دیار فتح کئے تھے۔ تخت الٹے تھے۔ بغاوتیں دبائی تھیں۔ آپس میں بھی دست و گریبان ہوئے تھے۔ لیکن تاریخ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ عورتوں کی عصمت دری کا سیاہ کارنامہ انہوں نے کبھی انجام نہیں دیا۔ بچوں کے خون سے ہرگز ہاتھ نہیں رنگے۔ یہ وہی زمانہ تو تھا جب کچھ ہی دن ہوئے اسلام کے لشکر کافروں کی مملکتوں میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، لیکن مفتوح قوم کی حسیناؤں اور پری جمالوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کیسے قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ اسی زمانہ میں صحابہ اور تابعین کی سرکردگی میں متخلفین کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے والے مسلمان سپاہی اچانک ایسے بے حیا، بدکار سفاک اور درندے بن گئے ہوں کہ عین مدینۃ الرسول میں رسول اللہ کے پڑوسیوں کے حرم پر ہاتھ صاف کریں پاک بیبیوں کی عصمتیں لوٹیں۔ بچوں کو ذبح کریں اور غلاف کعبہ میں آگ لگا دیں۔

خدا مسخ یافتوں کو سمجھے۔ بڑی ہی ناپاک اور گھناؤنی داستان ہے جو انہوں نے اہل بیت کی غالی عقیدت میں بنوامیہ کو ذلیل و رسوا کرنے کی خاطر گھڑی ہے۔ بنوامیہ کی ناک کاٹنے کے لئے انہوں نے اس کی بھی پروا نہ کی کہ اسلام کی بے مثال عسکری تاریخ کا دامن اس افسانہ طرازی کے ہاتھوں کیسا داغدار ہوا جاتا ہے۔

محترم صدیقی صاحب! ایک عباسی صاحب ہی اس سراپا کذب داستان کی طرف توجہ نہ کرنے کے مجرم نہیں ہیں وہ ابن تیمیہ بھی جن کی آپ عظمت تسلیم کرتے ہیں اس داستان کو من گھڑت ہی قرار دیتے ہیں، آپ تفحص فرما کر ایک روایت بھی تو اس کہانی کی ایسی نکال دیجئے جو فن کی کسوٹی پر خالص اترتی ہو، اور کذاب یا مجہول یا غیر ثقہ راویوں کے شمول سے خالی ہو۔ تاریخ میں بے شک فن حدیث کا معیار قائم رکھنا مشکل ہے لیکن جو تاریکی کہانی صحابہ و تابعین کے منہ پر کالک ملتی ہو جس سے اسلام کی شہرۂ

آفاق عسکری تقدیس مجروح ہوتی ہو اور جس کی تفصیلات جسم پر کپکپی طاری کر دینے والی ہوں، کیا انہیں یوں ہی سہل انکاری کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے گا۔

آپ چالو کتابوں اور پیش پا افتادہ داستانوں پر مت جائیں۔ اصل ماخذ میں عرق ریزی کر کے دیکھیں تو شاید یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ مدینہ پر یزید کی جس لشکر کشی کو ہرزہ سراؤں نے کوسے کذب و افترا کے ذریعہ جرم عظیم باور کرا دیا ہے وہ ایک ایسا جائز نہیں ثابت کیا جاسکتا، آخر دنیا کی کونسی حکومت ہے جو ایسے شہریوں کو معافی کا پروانہ دے سکتی ہو جو حکومت وقت کی اطاعت سے انحراف کرتے ہوئے اپنی حکومت قائم کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہوں یزید نے تو پھر بڑا تحمل دکھایا پُرامن بات چیت سے معاملات طے کرنے کی سعی کی۔ ممکنہ حد تک ڈھیل دی، پہلی جماعت جو جناب عبداللہ ابن زبیرؓ کی سمت بھیجی اس کا امیر ان کے بھائی ہی کو بنایا اور صاف صاف ہدایات دیں کہ گرفتاری حکم عدولی ہی کی صورت میں ہو۔ نہ یہ کہ جاؤ اور پکڑ لو۔ مگر عبداللہ ابن زبیرؓ نے اپنے بھائی کو پکڑ لیا اور مار مار کے ہلاک کر ڈالا۔ ہلاک ہی کرنے پر بس نہیں ہوتی لاشے کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔

یزید نے اس پر بھی کوئی طوفانی دھاوا نہیں بولا بلکہ نرمی کے ساتھ اصلاح حال کی کوشش کرتا رہا، لیکن ابن زبیرؓ نے پھر ایک موقع پر سرکاری مفاد کا تحفظ کرنے والے پچاس آدمیوں کو ٹھیک حرم میں ذبح کر دیا۔ اس المناک صورت حال میں بتاؤ تو دنیا یا دین کا کونسا قانون ہے جو یہ حکم دیتا ہو کہ حاکم وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور باغیوں کی اس لئے سرکوبی نہ کرے کہ وہ حرم میں تشریف فرما ہیں۔

مگر سن لیجئے کہ اندھا دھند چڑھائی پھر بھی یزید نے نہیں کی۔ متعدد سیاسی و انتظامی نوع کی کوششیں اس وقت بھی جاری رکھیں اور جب باغیوں نے کسی طرح بھی اطاعت قبول نہ کی تو اس وقت بھی جو فوج بھیجی اسے یہ آرڈر نہیں دیا کہ بڑھو اور کچل دو، بلکہ اتمام حجت کی تعلیم دی، یعنی باغیوں کو تین دن کی مہلت دو، باز آجائیں تو لڑائی بھڑائی کچھ نہیں، نہ مانیں تو بے شک غلبہ پانے کی کوشش کرو۔

ان حالات میں اگر آپ طبرانی والی روایت سامنے لاتے ہیں تو انصاف فرمائیے اس کی زد یزید پر پڑتی ہے یا ان لوگوں پر جنہوں نے اقتدار وقت سے کھلی سرکشی کی اور اپنی غیر آئینی سرگرمیوں کے لئے مکہ اور مدینہ کو پناہ گاہ بنایا۔ ؎

؎ شاہ ولی اللہؒ "ازالۃ الخلفاء" مقصد اول فصل پنجم میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے خروج کی وجہ سے تحلال مکہ کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

ایک گروہ کا شروع ہی سے یہ وطیرہ ہے کہ وہ خانوادۂ رسول کی خدائی کا ڈنکا بجانے کی ہوس میں تمام کے تمام صحابہؓ کو بدنہاد، دنیا پرست اور ظالم و بے مہر مشہور کرنے کی سعی کرتا ہے، وہ بہت خوش ہے کہ ایک ایسی فوج کے متعلق جو یزید نے بجا طور پر باغیوں کی تادیب کے لئے بھیجی تھی، یہ تاثر دینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ وہ سر بسر غنڈوں اور لفنگوں کی ٹولی تھی، جسے اسلام چھو کے بھی نہیں گیا تھا اور جس پر اس قرنِ مبارک کے مسلمانوں کے اخلاق و عادات کا سایہ تک نہیں پڑا تھا۔

حالانکہ اے جناب محترم! اس فوج کے کمانڈر رسول اللہ کے عمر رسیدہ صحابی مسلم بن عقبہ تھے اور متعدد اور اصحاب بھی ہمرکاب تھے۔ تابعین کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ سپاہی جو کچھ بھی کرتے پھریں نیک نامی یا رسوائی کا سہرا کمانڈر ہی کے سر بندھتا ہے۔ بربریت کی شہرت یافتہ کہانی کا تو حاصل یہ ہوا کہ بچوں کے قتل اور وحشیانہ شہوت رانی کا کریڈٹ ایک صحابی ہی کے سر گیا۔ ایک صحابی ہی کی سرکردگی میں وہ ناپاک کھیل کھیلا گیا جس پر آپ نے یقین کر لیا ہے۔ ایک تیر دو شکار اسی کا نام ہے۔ یزید کی بدنامی بھی ضرب در ضرب بڑھ گئی اور صحابہ کی مطلوبہ رسوائی اور تذلیل میں بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ کا یا جس کسی کا جی چاہے مدحتِ حسینؓ کی خاطر یہ سب کچھ دل و جان سے قبول کرلے ہم تو جب تک قوی روایات سے اثبات نہ کر دیا جائے کبھی ان لرزہ خیز ہفوات کو قبول نہ کریں گے۔ ہم کمزور اور بدبخت راویوں کی زبان سے ہرگز یہ نہیں سننا چاہتے کہ قرونِ مبارک میں بھی مسلمانوں نے حیوانی شہوت رانی اور گھناؤنی عصمت دری کا وہ ذلیل کھیل کھیلا ہے جو بعد ہی کے لوگوں کو زیب دیتا ہے۔

اگر ہم جاہل اور کندۂ ناتراش ہیں تو آنجناب کو شرح و بسط کے ساتھ بتانا چاہئے کہ یزید کیوں مدینہ پر فوج کشی کرنے میں خطاوار تھا اور حدیث طبرانی کی زد اس کی بجائے ان اطاعت سے گریز کرنے والوں پر کیوں نہیں پڑتی جنہوں نے اس کی فوج کشی سے قبل ہی حرم میں لوگوں کی گردنیں ماری تھیں، اور سرکاری افسر کو ہلاک کر ڈالا تھا اور کیسے ثابت ہو گیا کہ یزید کی فوج نے وہ تمام شیطنت پھیلائی تھی جسے امر واقعہ باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم ہم تو ان مردودوں کے تصور تک سے نفرت کریں گے جن پر خواتین مدینہ کی ظالمانہ عصمت دری کا جرم ثابت ہو جائے۔ ہم ان پاجیوں کے نام تک سے بیزار ہو جائیں گے جنہوں نے معصوم بچوں کو تہہ تیغ کیا ہو۔ ہم ہی نہیں، عباسی صاحب بھی اور کوئی بھی مسلمان ایسا بدباطن اور سیاہ قلب نہیں ہو سکتا کہ مدینۃ الرسول میں غنڈہ گردی پھیلانے والے بدبختوں سے شمہ برابر بھی ہمدردی رکھے۔ لیکن گفتگو تو ساری اسی میں ہے کہ شائع و ذائع کہانیاں سچ بھی ہیں یا نہیں؟ ایک روایت کے

مطابق ہوا کسی چولھے سے چنگاری اڑا لے جائے اور غلاف کعبہ آگ پکڑ لے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن زبیرؓ ہی کے کسی ساتھی کی بے احتیاطی سے غلاف کعبہ جل اٹھے مگر مجرم بہرحال یزید ہی کے لشکری قرار دئے جائیں۔ یہ ہے راویان خوش بیان کا کمال فن، باغیانہ سرگرمیوں کا مرکز متخلفین مدینہ و کعبہ کو بنائیں اور کسی پر امن تفہیم و تذکیر کو قبول نہ کریں، لیکن یزید جھک مار کے پولیس ایکشن کا اقدام کرے تو وعید کا مستوجب وہی ٹھیرے۔ پھر ہر زہ سرا قصہ گو تصنیفی قوت سے دو ہزار محترم خواتین مدینہ کو حاملہ بنائیں اور تخیل کی تلوار سے بچوں کو ذبح کریں تو گردن ناپی جائے۔ یزید کی اور بدنام ہوں وہ معاویہ جنہوں نے یزید کو خلافت سونپی تھی۔ یہ تکنیک دلچسپ ضرور ہے مگر اس لائق نہیں کہ اس پر ایمان ہی لے آیا جائے۔

—— (✻) ——

(۲)

آنجناب نے فرمایا ہے :۔

"فاضل مصنف (عباسی صاحب) اپنے جذبات کا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے اگر وہ ان احادیث پر بھی ایک نگاہ ڈال لیتے جو حدیث کی متداول کتب میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق مذکور ہیں۔"

یہ ایراد مبہم بھی ہے اور غیر منطقی بھی۔ احادیث میں یہ ضرور ملتا ہے کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کے محترم نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نواسوں سے بہت محبت فرماتے تھے اور اللہ تعالےٰ سے ان کے حق میں دعا بھی کرتے تھے، لیکن اس بات کا تعلق اس بحث سے کیا ہے جو "خلافت معاویہ ویزید" میں کی گئی ہے اس کتاب کا موضوع منقبت حسینؓ نہیں ہے بلکہ منقصت یزید کو خلاف عدل ثابت کرنا اور اس کے مقابلہ پر خروج حسینؓ کو اجتہادی غلطی باور کرانا ہے۔ اس موضوع کے دائرے سے یہ بات خارج تھی کہ مدحت حسینؓ کا مروجہ اسلوب اختیار کیا جاتا، نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کتب متداولہ میں جتنی روایتیں حضرت حسینؓ کے سلسلہ کی مذکور ہیں وہ سب عباسی صاحب کی نظر میں قابل اعتمادہی ہوں، لیکن اس سے قطع نظر وہ موقف حسینؓ کی جس ناموزونیت اور غلطی اجتہاد کا اثبات کر رہے ہیں اس کا آخر اس سے کیا واسطہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے نانا بچپن میں ان سے محبت کیا کرتے تھے اور آخرت میں ان کے لئے مرتبہ علیا کی بشارت دی گئی ہے۔ عباسی صاحب نے یہ ثابت نہیں کیا کہ حضرت حسینؓ دانستہ معصیت کے مرتکب ہوتے تھے نہ یہ ثابت کیا کہ یزید کو مشہور الزامات سے بری ماننے کے ساتھ حضرت حسینؓ کو آثم و عاصی ماننا بھی ضروری ہے۔ اس کے برخلاف انہوں نے ان کے موقف کو اجتہادی غلطی ٹھیرایا ہے اور یہ کوئی جرم نہیں۔ آنجناب حضرت علیؓ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کو اجتہادی غلطی کا مجرم قرار دیتے ہیں تو حضرت حسینؓ کی طرف اجتہادی غلطی کا انتساب کیوں حرام ہو گیا۔ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی تو یہی ہے کہ حضرت حسینؓ کا اقدام اجتہاداً غلط تھا اور قتل سے پہلے اگر وہ اپنے موقف سے رجوع نہ کر چکے ہوتے تو ان کے قتل کو فیصلہ کن طور پر "شہادت" قرار دینا بھی مشکل ہی ہوتا۔ یہی مسلک عباسی صاحب کا بھی ہے ——

رہا توازن کا معاملہ۔ تو یہ ایک اضافی شے ہے آپ عباسی صاحب کی تحریر کو غیر متوازن اس لئے قرار دے رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے بارے میں اپنا ہی ناویۂ نظر آپ کو حرف آخر معلوم ہوتا ہے اور اس کے آئینے میں واقعی عباسی صاحب کی تحریر کسی نہ کسی حد تک غیر متوازن ہے۔ لیکن بحث تو اصل یہی ہے کہ آپ کا زاویۂ نظر درست ہے یا وہ زاویۂ نظر جو عباسی صاحب کے جمع فرمودہ مواد کو وقیع تسلیم کر لینے کے بعد قائم ہوتا ہے؟ اس بحث کا فیصلہ جب تک نہ ہو توازن کا کوئی معیار قائم کرنا ممکن نہیں۔ ثابت کرنے کی چیز یہ ہے کہ عباسی صاحب کی تحقیق درلیسرچ فلاں فلاں وجوہ سے غلط ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو آپ سے آپ ان کے عدم توازن کا اثبات ہو جائے گا لیکن جب تک یہ ثابت نہ ہو نقطۂ اعتدال کی تعین نقش برآب سے زیادہ کچھ نہیں۔

آپ فیصلہ دیتے ہیں :۔

"یزید کے معاملہ میں ایک قسم کی "نامناسب جانبداری" اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مرتبے کے متعلق ایک عام لاپروائی کتاب کے ہر صفحے پر نمایاں نظر آتی ہے مثال کے طور پر دیکھئے کہ وہ ہر قاری کو اس بات کا تاثر دینا چاہتے ہیں کہ عام مسلمانوں نے یزید کی بیعت بطیب خاطر کی اور ان کی اس بیعت پر پوری امت مجتمع تھی۔"

سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص اپنی تحقیق کے نتیجے میں اسی بات کو درست سمجھتا ہو کہ بیعت یزید کے سلسلہ میں دھونس اور ظلم و جبر کے قصے یکسر من گھڑت ہیں تو اس نتیجے کے اعلان و اظہار کو "لاپروائی" کیسے کہیں گے اور یزید کی نامناسب جانبداری کا الزام اس پر کیوں کر چسپاں ہوگا۔

عباسی صاحب نے البدایہ والنہایہ سے یہ فقرے نقل کئے تھے :۔

"تمام شہروں میں یزید کی بیعت ہو گئی اور یزید کے پاس ہر سمت سے وفود آئے"

آپ فرماتے ہیں کہ یہ بیعت بطیب خاطر نہیں تھی اور البدایہ ہی کی جس عبارت سے بیعت کا بلا طیب خاطر ہونا ثابت ہوتا ہے، اسے عباسی صاحب نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ ہے :——

پھر حضرت امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا اور یہ لوگ ان کے ممبر کے نیچے موجود تھے لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ لوگ بیٹھے تھے نہ موافقت کی اور نہ اختلاف ظاہر کیا کیونکہ انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا۔ اس طرح یزید کی بیعت تمام ممالک میں ہو گئی"

البدایہ کے یہ فقرے آپ کے نزدیک اس بات کا کافی ثبوت ہوں تو ہوں کہ صحابۂ کرام نے ڈر کے مارے زبان بند رکھی، لیکن ذرا ابن خلدون کے ارشاد پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ وہ فرما رہے ہیں:۔

"عمومی اتفاق کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا یزید کو ولیعہد بنانا اس فعل کے الزام سے بالاتر ہونے کے لئے بجائے خود حجت ہے، نیز انہیں یوں بھی متہم نہیں کیا جاسکتا کہ یزید کو ترجیح دینے میں ان کے پیش نظر اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اُمت کے اتحاد و اتفاق کا شیرازہ بندھا رہے۔ اس وقت ارباب حل وعقد یزید ہی کی ولیعہدی پر مطمئن ہو سکتے تھے کیونکہ وہ اکثر وبیشتر بنوامیہ ہی کے افراد تھے اور بنی امیہ کا اپنے سے باہر کے کسی شخص کی خلافت پر رضامند ہو جانا اس وقت متصور ہی نہیں ہو سکتا تھا اس وقت قریش میں وہی سب سے قوی گروہ کی حیثیت رکھتے تھے۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"اور پھر معاویہؓ کے اقدام ولایت عہد کے وقت سیکڑوں صحابہؓ کا موجود ہونا اور اس پر خاموشی اختیار کرنا ثبوت ہے اس بات کا کہ معاویہؓ کی نیت اس بارے میں قطعاً مشکوک نہیں تھی۔ ورنہ یہ صحابۂ کرامؓ حق کے معاملے میں بزدلی، چشم پوشی اور ڈھیل دینے کے ہرگز بھی روادار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ معاویہؓ ہی ایسے تھے کہ حق کو قبول کرنے میں حبِّ جاہ ان کا راستہ روک دیتی۔ یہ سب اس سے بہت بلند ہیں اور ان کی عدالت ایسی کمزوریوں سے بالیقین بالاتر ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون بحث ولایت عہد)

فرمائیے کیا ابن خلدون نے بھی صحابۂ کرامؓ کی خموشی کو اسی دھونس، دھاندلی اور مرعوبیت کا ثمرہ قرار دیا ہے جسے ابن کثیر نے ذکر کیا اور آنجناب نے حرف آخر مانا۔ ابن خلدون کبھی نبی نہیں تھے کہ ان کی ہر بات آپ مان ہی لیں تاہم یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ عباسی صاحب پہلے آدمی نہیں ہیں جنہوں نے صحابۂ کرامؓ کے سکوت کو خوف زدگی اور دون ہمتی پر محمول کرنے سے انکار کر دیا ہے بلکہ پہلے بھی کچھ اصحاب الرائے اس انکار کا اعلان کرتے رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ حق کی راہ میں جان و مال کو پرکاہ کی برابر حقیر سمجھنے والے بارہا کے آزمودہ مردان کار کی سیرت سے یہی حسن ظن زیادہ جوڑ کھاتا ہے کہ ان کی ہمت مردانہ نے معاویہؓ کی تلوار کے سامنے گھٹنے نہ ٹیک دئے ہوں۔ ان کی حمیت حق

معاویہؓ کا نیزہ دیکھ کر تھر تھر نہ کانپ اٹھی ہو ان کی پہاڑ جیسی حق گوئی وحق کوشی کا شعلہ سوزاں معاویہؓ کے دہن اقتدار کی پھونکوں سے نہ بجھ گیا ہو، بلکہ ان کا سکوت یہ معنی رکھتا ہو کہ ولایت یزید کے لئے معاویہؓ کا اقدام ان کے نزدیک بھی ایسا ہی لائق پزیرائی ہو کہ ملک وملت کے مفاد میں اسے پسند کر لیا جائے۔ آنجناب اس حسن ظن پر آمادہ نہ ہوں تو یہ آپ کو اختیار ہے لیکن یہ اختیار آپ کو نہیں ہے کہ عباسی صاحب یا ابن خلدونؒ یا ابن تیمیہؒ یا امام غزالیؒ یا قاضی ابو بکرؒ وغیرہم کو بھی اس حسن ظن پر مطعون کرنے لگیں۔

یہ معروضہ اس پہلو سے تھا کہ صحابہؓ کے سکوت کو خوف زدگی پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ البدایہ سے آپ کی نقل کی ہوئی عبارت بیعت کے بطیب خاطر ہونے کے لئے دلیل کا درجہ رکھ سکتی ہے تو اس پہلو سے ہم چار باتیں عرض کریں گے:۔

اولاً یہ کہ عباسی صاحب نے بیعت یزید کے بطیب خاطر ہونے پر صرف البدایہ ہی کی منقولہ تصریح کو دلیل نہیں بنایا ہے بلکہ اور بھی مثبت ومنفی دلائل دئے ہیں۔ آپ نے جو فقرے البدایہ سے نقل کئے صرف وہی ان کے تمام دلائل کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی نہیں۔ جو شخص تاریخی شواہد کے ساتھ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ امیر معاویہؓ پر دھونس دھاندلی اور جبر وتشدد کے الزامات خلاف واقعہ ہیں، وہ البدایہ سے وہ فقرے نقل کرنے میں تو یقیناً حق بجانب ہے جو عباسی صاحب نے لیکن وہ عبارت اسے چھوڑ ہی دینی چاہئے تھی جسے آنجناب نقل کرکے رد فرما رہے ہیں۔ آخر ابن کثیرؒ اس درجہ میں تو نہیں ہیں کہ ان کی کتاب کے ان مطالب پر بھی وثوق کیا جائے جو متعدد شواہد کی روشنی میں معتبر ہیں۔ ابن کثیرؒ ڈرانے دھمکانے کے ثبوت میں کوئی مضبوط دلیل نہیں دیتے بلکہ سرسری دعوے کرتے چلے جاتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ یہ دعویٰ مان ہی لیا جائے۔

ثانیاً یہ کہ جس ڈرانے دھمکانے کا ذکر اس عبارت میں ہے اس کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو حضرت معاویہؓ کے ایک خطبہ کے وقت حاضر مجلس تھے۔ ظاہر ہے یہ محدود تعداد میں رہے ہوں گے تمام مملکت کے بیعت کرنے والوں کے مقابلہ میں ان کی عددی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ ان میں اگر بیعت کی رغبت ورضامندی بھی پائی جارہی ہو تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غالب ترین اکثریت کی بیعت بھی رضا ورغبت سے خالی ہی تھی۔ ہر سمت سے آنے والے وفود نکیل ڈال کر نہیں لائے گئے تھے تب کیا یہ بات غیر معمولی یا حیرت ناک ہے کہ عباسی صاحب نے اکثر پر کل کا حکم لگا دیا۔

ثالثاً یہ کہ اس عبارت میں فعلِ معاویہؓ کا ذکر ہے نہ کہ فعل یزید کا۔ آپ صاف صاف بتائیں

کہ صرف یزید ہی کے ظالم و خاطی ہونے پر آپ کو اصرار ہے یا معاویہؓ کے ظالم و جابر ہونے پر بھی اصرار فرماتے ہیں۔ یہ بات کھل کر ہونی چاہئے۔ البدایہ کی مذکورہ عبارت نقل کرنے سے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ کا نشانہ صرف یزید ہی نہیں معاویہ بڑا ہیں بلکہ اصلاً معاویہ ہی سے ناراضگی ہے ٹھیک بھی ہے کہ جب تک معاویہؓ ہی کے کردار میں کیڑے نہ ڈالے جائیں یزید کی بیعت کو چیلنج کرنا آسان نہیں ہے۔ چلئے کوئی حرج نہیں، معاویہؓ کے بارے میں آپ کی جو بھی رائے ہو آپ مختار ہیں، لیکن ادب کے ساتھ عرض ہے کہ اگر عباسی صاحب صرف اس لئے غیر متوازن اور لاپروا اور حفظ مراتب سے بے بہرہ قرار دئے جارہے ہیں کہ انہوں نے کثیر دلائل کی روشنی میں اقدام حسینؓ کو اجتہاداً غلط اور موقف یزید کو مبنی بر صواب قرار دیا ہے تو وہ لوگ آخر کیوں ان الزامات سے بری الذمہ مان لئے جائیں جو معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی، مایہ ناز مدبر اور بالغ نظر حکمراں کے اس طرز عمل کو جو انہوں نے امت کے مصالح اور مملکت کے مفاد کی خاطر اختیار کیا تھا دھونس اور دھاندلی اور ظلم و تشدد سے تعبیر کرتے ہیں، حسینؓ بڑے تھے، بہت بڑے تھے لیکن معاویہؓ بھی اتنے چھوٹے تو نہیں تھے کہ ہم ان کی مذمت کو بطیب خاطر قبول کرتے چلے جائیں اور مسرور ہوں کہ مدحت حسینؓ کا حق ادا ہو گیا۔

رابعاً یہ کہ بہ طیب خاطر بیعت ہونے کا دعویٰ اگر مبالغہ پر بھی مبنی ہو تو ہم سوال کریں گے کہ بیعت میں تھوڑی سی گرانیٔ خاطر کا شمول اس بیعت سے قائم ہونے والی حکومت پر آپ کے نزدیک کیا اثر ڈالتا ہے؟ اگر یہ مفروضہ گرانیٔ خاطر اس حکومت کو مشکوک بناتی ہے تو اس سے قطع نظر کہ یہ بات صریح احادیث اور اصول دین کے خلاف ہے حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں بڑی الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔ یزید کی بیعت گرانیٔ خاطر ہی سے سہی مگر منعقد تو ہوئی اور ملک بھر میں اسے امیر و حاکم مانا گیا لیکن حضرت علیؓ کی بیعت سے تو اتنے کثیر لوگ رو گرداں رہے کہ بقول ابن تیمیہؒ ان کا شمار بس اللہ ہی کے علم میں ہے۔ پھر جس پر آشوب ماحول و فضا میں خلافت علیؓ قائم ہوئی ہے کون اصول پسند اور آئین شناس کہہ سکتا ہے کہ جمہوریت اور آزادانہ انتخاب کے تقاضے ادنیٰ درجہ میں بھی پورے ہوئے قاتلین عثمانؓ کے زیر سایہ ان کی خواہش کے مطابق ان کی نادر شاہی کے تسلط میں حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہوئی اور بڑی بڑی معظم ہستیاں اسے چیلنج کر گزریں۔ اگر یہ خلافت آئینی حیثیت سے منعقد ہے، اس کے احکام سے سرتابی جرم ہے۔ اسے چوتھی خلافت راشدہ ماننا ضروری ہے تو آخر یزید کی حکومت کس قانون اور کس معیار عدل سے

مشکوک و نامعتبر ٹھیرائی جاسکتی ہے جسے سلطنت کے تمام حدود میں لڑے بھڑے بغیر تسلیم کیا گیا جس کی بیعت جوق در جوق ہوئی۔ جسے کتنے ہی عظیم المرتبہ اصحاب رسولؐ نے معتبر مانا، جس کے لئے بہت پہلے سے مشورہ اور استصواب کیا گیا جس کی داغ بیل ایک مسلم الثبوت مدبر صحابی نے ڈالی۔ یہ حکومت معتبر تھی اور یقیناً تھی تو ان لوگوں کا جرم بتایا جائے جو اس حکومت کو ناقابل اعتبار قرار دینے والوں کے موقف کو نادرست خیال کرتے ہیں۔

آنجناب نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے:۔

"عباسی صاحب نے کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کے لئے خروج کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بہت بڑی جسارت ہے اور یہ چیز جمہور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے۔" (ص ۵۲)

لیکن آپ یہ بات نظر انداز کر رہے ہیں کہ اقدام حسینؓ کو خروج کے لفظ سے تعبیر کرنیکا قصور بڑے بڑے لوگ کر گئے ہیں۔ صحابی جلیل ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔

غلبنی الحسین علی الخروج وقلت لہ اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک ولا تخرج علی امامک۔	حسین نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے زور دیا تو میں نے کہا کہ حسین! دل میں خدا کا خوف لاؤ اور اپنے گھر میں بیٹھو اور اپنے امام پر خروج مت کرو۔

البدایہ جلد ۸ ص ۱۶۳

. . . . . .

دوسرے صحابی ابو واقد اللیثیؓ فرماتے ہیں:۔

فناشدتہ اللہ ان لا تخرج فانہ من یخرج غیر وجہ خروج انما خرج یقتل نفسہ (ایضاً)	میں نے حسینؓ کو اللہ کا واسطہ دیا کہ خروج مت کرو کیونکہ جو بلاوجہ خروج کرتا ہے اپنی جان گنواتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ بھی بے دھڑک خروج ہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے پہلے تو ابن عمر ابن عباس اور ابن عبد الرحمٰن رضوان اللہ علیہم کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ وہ اقدام حسینؓ کو خروج ہی سے تعبیر کرتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

فتبین ان الامر علی ما قال اولئک اذ لم یکن فی الخروج مصلحۃ	پس واضح ہو گئی یہ بات کہ رائے ان اصحاب ہی کی درست تھی جو حسینؓ کو خروج سے روک

لا فی دین ولا فی دنیا بل تمکن اولٰئک الظلمۃ الطغاۃ من سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قتلوہ مظلومًا شھیدًا وکان خروجہ وقتلہ من الفساد ما لم یکن یحصل لو قعد فی بلدہ۔

(منہاج السنۃ جلد ۲ صہ ۲۴۲)

رہے تھے کیونکہ خروج میں دین اور دنیا کسی کی بھی کوئی مصلحت نہ تھی بلکہ اس کی وجہ سے سنگ دل ظالموں کو رسول اللہؐ کے نواسے پر قابو پانے کا موقع مل گیا یہاں تک کے انہوں نے انہیں قتل کر دیا اس حال میں کہ وہ مظلوم تھے اور شہید۔ اور ان کا خروج اور قتل ایسے فساد کا باعث بنا کہ اگر وہ اپنے شہر میں بیٹھے رہتے تو یہ رونما نہ ہوتا۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ اس موضوع پر گفتگو کرنے والے کتنے ہی علماء اقدام حسینؓ کو خروج ہی سے تعبیر کرتے آئے ہیں۔ پھر کیوں آپ عباسی صاحب کی اس تعبیر کو "بڑی جسارت" قرار دے رہے ہیں۔

رہا جمہور اہل سنت کے مسلک کا معاملہ۔ تو محترم! "خروج" کے معنی ہیں حکومت وقت کے خلاف اٹھنا۔ اس کے بالمقابل اپنے اقتدار کی سعی کرنا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ "خروج" کبھی برحق ہو کبھی ناحق لیکن اس واقعہ سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حکومت یزید کے خلاف حضرت حسینؓ کھڑے ہوئے بیعت سے گریز کیا اور اپنی بیعت لینے کوفہ گئے۔ یہ جب اٹل واقعہ ہے تو پھر کسی کے مسلک اور بے مسلک کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے جو دو رایوں کے متحمل ہوں۔ مسلّم تاریخی واقعہ میں ردّ و قبول کا کیا سوال اور مسلک چہ معنی دارد۔ آپ کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ خروج حسینؓ کو ناحق ماننا جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، تب بیشک بات بنتی گو اس کا ثبوت پھر بھی آپ کے ذمہ رہتا، مگر بات تو ذو معنی ہوتی۔ بصورت موجودہ یہ مہمل ہے۔

اور یہ بھی سن لیجئے کہ "جمہور" کی اصطلاح دلچسپ مغالطے سے خالی نہیں۔ محدثین اور شوافع کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے جگہ جگہ ملے گا:۔

ھذا مذھب الشافعی والجماھیر وخالف ابو حنیفۃ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ افضل زمانے کے جمہور بھی واجب الاتباع نہ تھے۔ پھر مفضول زمانے کے "جمہور" کیونکر حجت بن سکتے ہیں اور اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ ابو حنیفہؒ کے بالمقابل جمہور بلکہ "جماہیر" کی دہائی پہلے بھی لوگ دیتے رہے ہیں مگر احناف نے اس کی پروا بالکل نہیں کی ہے اور اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ "جمہور" کی پیمائش کا کوئی متعین فیتہ نہیں، بلکہ مختلف گروہ اپنے اپنے فیتوں سے یہ پیمائش کرتے رہے ہیں

اور دوسرے گروہوں نے اس کی صحت پر آمنا وصدقنا نہیں کہا ہے۔

تاریخی واقعات کی تحقیق و تنقیح میں جمہور اہل سنت کے مسلک کو بیچ میں لانا عجیب سی بات ہے۔ اس کا محل صرف اس وقت تھا جب عباسی صاحب نے یہ کہا ہوتا کہ خروج حسینؓ سراسر معصیت تھا۔ اس وقت بے شک یہ مسئلہ نظری بن جاتا اور مسلک کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا، لیکن انہوں نے معصیت نہیں کہا۔ صرف لفظ خروج استعمال کیا تو یہ ایک حقیقت ثابتہ کا اظہار ہے نہ کہ جسارت بے ادبی۔ ہم اسے عقیدت کی افراط ہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بلاریب وشک پیش آ چکا ہے اسے بھی تسلیم کرنے میں صحابہ کرامؓ سے زیادہ نزاکت و صالحیت کا مظاہرہ کیا جائے اور بلاوجہ اس شخص کو مجرم گردانا جائے جس نے بیان واقعہ میں لاگ لپیٹ نہیں رکھی ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عباسی صاحب نے امام غزالیؒ کے الفاظ:۔

"اما الترحم علیہ فجائز" کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ان (یزید) پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے اسی سے ان کے ذہنی میلان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔" صہ ۴۴

ہم عربی پر عبور تو نہیں رکھتے مگر شدھ بدھ ضرور ہے۔ ترحّم (باب تفعّل) کے معنی اگر رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کے نہیں آتے تو آپ بتائیں کہ اور کیا آتے ہیں؟ ہمارا حقیر سا علم یہ ہے کہ جس طرح تلبیہ لبیک کہنے کو کہتے ہیں اسی طرح ترحّم رحمۃ اللہ علیہ کہنے کے لئے خاص ہے اور کسی مفہوم میں یہ استعمال ہی نہیں ہوتا۔ عباسی صاحب کا ترجمہ بالکل صحیح ہے۔ اسے ان کے قابل اعتراض ذہنی میلان کا ثبوت بنانا اسی صورت میں ممکن ہے کہ آپ اس ترجمہ کا غلط ہونا ثابت کر کے دوسرا صحیح ترجمہ پیش فرمائیں۔

—— (۶) ——

یہاں تک یزید کے بارے میں گفتگو تھی۔ اب اس گرفت کو لیجیے جو آپ نے حضرت علیؓ کے تعلق سے کی ہے۔

ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ عباسی صاحب حضرت علیؓ کے ویسے عقیدت مند نہیں معلوم ہوتے جیسے کہ امت کے اکثر لوگ ہیں، لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بارے میں جو بھی تاثرات انہوں نے دیئے چاہے ہیں کیا ان کے لئے خود ساختہ واقعات اور بے حقیقت شواہد سے کام لیا ہے یا واقعات وشواہد میں کوئی کذب وافترا نہیں۔ اگر پہلی صورت ہو تو بے شک انہیں سخت مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن دوسری صورت ہو تو ان پر اس سے زیادہ کوئی الزام عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے اخذ نتائج میں پیروی محض پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کی کوشش کی ہے ان کے

طرزِ فکر اور اخذ کردہ نتائج سے اختلاف بالکل نہیں ہے مگر یہ کہنا درست نہیں کہ اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کی کوشش ہی جرم ہے۔

تقریباً ایک صفحہ پر آپ نے ان کے جو اقتباسات دئیے ہیں ان کے بارے میں آپ کا دعویٰ ہے کہ وہ بہت غلط تاثرات حضرت علیؓ کے بارے میں دیتے ہیں۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ ان اقتباسات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے؟ ـــــ اگر غلط ہے تب تو اعتراض بجا، لیکن غلط نہیں ہے تو اس کے تاثرات پر خفا ہونا کس قسم کا انصاف ہے۔

آپ کو رنج ہے کہ عباسی صاحب نے شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ کے فرمودات کے ساتھ افسوسناک ظلم و زیادتی کی ہے، لیکن شواہد آپ نے بہت کم وردئے ہیں۔

ایک زیادتی تو بیشک واضح ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جو موقف حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ وغیرہ کا تھا اسے انہوں نے دو جگہ ازالۃ الخفاء سے اس طرح نقل کر دیا ہے گویا وہ خود شاہ ولی اللہؒ کا موقف و مسلک ہے، لیکن یہ غلطی ان سے شاید سہواً ہوئی ہے، کیونکہ نئے ایڈیشن میں انہوں نے دونوں مقامات پر اس کی اصلاح کر دی ہے یا سہواً نہیں، بلکہ انہوں نے جان بوجھ کر کی ہو تو آپ کا اعتراض یقیناً بجا ہو گا، لیکن آپ کے اعتراض کے تیور کچھ ایسے ہیں گویا انہوں نے اس سے بہت زیادہ عیاریاں، تحریفیں اور غلطیاں کی ہیں۔

اس غلطی کے علاوہ ہم نہیں سمجھ سکے کہ شاہ صاحبؒ کے فرمودات میں انہوں نے کیا تحریف کی۔ آپ نے اثبات مدعا میں اولاً شاہ صاحب کی وہ عبارت نقل کی ہے جس میں انہوں نے حضرت علیؓ سے خوارج کے اختلاف کو باطل ٹھیرایا ہے۔ لیکن اس کی نقل سے اس وقت فائدہ ہوتا جب عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھا ہوتا کہ شاہ صاحب خوارج کے اختلاف کو برحق قرار دیتے ہیں۔ ایسی بات انہوں نے کہیں نہیں لکھی نہ اشارتاً بھی یہ ان کی کسی عبارت سے نکلتی ہے۔ لہٰذا طولِ لاطائل کے سوا آپ کی نقل کو کیا کہیں گے۔

ثانیاً آپ نے شاہ صاحب کی وہ عبارت نقل کی جس میں انہوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ اور طلحہ و زبیرؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔ اس نقل کا فائدہ اس وقت ہوتا جب عباسی صاحب نے کہیں یہ لکھا ہوتا کہ شاہ صاحبؒ ان حضرات کے اجتہاد کو حضرت علیؓ کے بالمقابل درست قرار دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کا موقف غلط سمجھتے ہیں۔ مگر عباسی صاحب نے ایسا بھی کہیں نہیں لکھا رہی یہ بات کہ خود عباسی صاحب ان حضرات کے اجتہاد کو غلط نہ سمجھتے ہوں یہ الگ مسئلہ ہے۔

اس سے شاہ ولی اللہؒ کے فرمودات کی تحریف نہیں ثابت ہوتی، بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عباسی صاحب ہر خیال و رائے میں شاہ صاحب کے متبع نہیں ہیں، تو یہ کوئی جرم نہیں نہ تحریف و بددیانتی نہیں۔

ثالثاً آپ نے شاہ صاحبؒ کی وہ عبارت نقل کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کے نزدیک حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کا اجتہاد مبنی بر خطا تھا۔ اس نقل کا فائدہ اس وقت ہوتا جب عباسی صاحب یہ دعویٰ کر رہے ہوتے کہ شاہ صاحب اجتہاد معاویہؓ کو برحق اور اجتہاد علیؓ کو غلط کہتے ہیں، لیکن انہوں نے ایسا دعویٰ بھی کہیں نہیں کیا، وہ بجائے خود اجتہادِ معاویہؓ کے مبنی بر صواب ہونے کا کتنا ہی وثوق رکھتے ہوں، لیکن شاہ صاحب کی طرف تو اس کی نسبت نہیں کی ہے۔ پھر کونسا ظلم ہے جو آپ کی نگاہ میں شاہ صاحبؒ کے فرمودات کے ساتھ کیا گیا۔

رہا آپ کا یہ کہنا:۔

> "مصنف کی ہنرمندی اور چابکدستی دیکھئے کہ انہوں نے صرف اس فقرے کو دیکھ کر "خلافت برائے حضرت علیؓ مرتضیٰ قائم نہ شد" یہ حکم فرما دیا کہ شاہ ولی اللہؒ بھی حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملہ میں یہی رائے رکھتے تھے جو خود ان (مصنف صاحب) کی ہے۔ اس قسم کی تحریف علمی دیانت داری کے منافی ہے۔"

تو یہ بھی عباسی صاحب کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہ تو بالکل کھلی بات ہے کہ تاریخ کی زیرِ بحث شخصیتوں کے بارے میں جس خیال و رائے کا اظہار و اثبات عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے وہ من حیث المجموع شاہ ولی اللہؒ اور ابن تیمیہؒ دونوں ہی حضرات کی مجموعی آراء سے جداگانہ ہے، یہ دعویٰ نہ مصنف کا ہے نہ کوئی اور ایسا تصور کر سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں شخصیتیں ہر پہلو سے عباسی صاحب ہی کے موقف و مسلک کی قائل رہی ہیں۔ عباسی صاحب اگر ان عبارتوں سے کہیں کہیں استشہاد کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اپنے تمام ہی مزعومات و تصورات میں ان شخصیتوں کو اپنا ہمنوا قرار دے رہے ہیں، بلکہ ہم نوائی صرف انہی اجزاء تک محدود رہتی ہے جن کے بارے میں استشہاد کیا گیا ہے۔ حضرت علیؓ کی خلافت سے متعلق مسائل بہت سارے ہیں، حضرت معاویہؓ کو یکلخت برطرف کر دینے میں وہ حق بجانب تھے یا نہیں؟ ـــ معاویہؓ کو ان کا حکم قبول کر لینا چاہئے تھا یا قبول نہ کرنا ہی مناسب ہوا؟ ـــ قصاص عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کا طرزِ عمل کیا بے بسی پر مبنی تھا یا ڈھیل دینے کے مرادف تھا ـــ؟ یہ اور اسی نوع کے متعدد پہلو ہیں جو خلافت

علیؓ سے مربوط ہیں۔ عباسی صاحب نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ شاہ ولی اللہؒ تمام پہلوؤں میں میرے ہم رائے ہیں۔ وہ صرف ایک بنیادی مسئلہ پر ان کی تائید کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت علیؓ کی خلافت پہلے تین خلفاء جیسی آئینی مضبوطی نہیں رکھتی تھی۔ وہ پہلی خلافتوں جیسی مکمل و منظم نہیں تھی۔ اس میں مقابلتاً نقص پایا جاتا تھا۔ تو یہ سب کچھ شاہ ولی اللہؒ نے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ثابت فرمایا ہے۔ عباسی صاحب نے شاہ صاحب کے جو اقتباسات دئے ہیں وہ اسی مدعا کا اثبات کرتے ہیں اور شاہ صاحب نے تو ازالۃ الخلفاء کے مقصدِ اول میں مستقل باب باندھا ہے۔

"اس امر کے بیان میں کہ خلافت خاصہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے عہد خلافت میں منتظم نہ ہوئی۔"

اس میں انہوں نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ جن تین زمانوں کے ازمنۂ خیر ہونے کی خبر اللہ کے رسولؐ نے دی تھی وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت پر تمام ہو گئے۔ حضرت علیؓ کا زمانہ خلافت خیر القرون سے خارج ہے۔ اس میں وہ عنایات الٰہیہ جو ماضی قریب میں نزول کر رہی تھیں مستتر ہو گئیں اور باوجود کوشش بسیار کے ذرا سا بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ کفار کو شکست دینا کم ہو گیا۔ اللہ کی مدد و نصرت بھی متحقق نہ ہوئی۔ اصلاح عالم کا مقصد گم ہو گیا۔ اسی لئے شاہ صاحب یہ تسلیم نہیں کرتے کہ حضرت علیؓ کی اطاعت ایسی ہی ضروری تھی جیسی سابق خلفاء کی، بلکہ وہ کہتے ہیں آپ کی اطاعت ظنِ غالب کی بناء پر لازم ہوتی ہے درانحالیکہ سابق خلفاءؓ کی اطاعت بربنائے یقین لازم تھی۔

فصل پنجم کے مقصد اول میں وہ احادیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ خلافت خاصہ حضرت عثمانؓ پر تمام ہو گئی۔ حضرت علیؓ میں خلافتِ خاصہ کے اوصاف تو کامل طور پر موجود تھے مگر ان کی خلافتِ خاصہ قوت سے فعل میں نہیں آئی۔

عباسی صاحب اسی بنیادی مسئلہ میں شاہ صاحبؒ کے تائیدی اقوال نقل کر گئے ہیں تو یہ بد دیانتی کیسے ہوئی۔ اس خیال کی نسبت شاہ صاحبؒ کی طرف بیشک عباسی صاحب کی خطا ہے کہ "حضرت علیؓ کے لئے کسی طرح کی بھی خلافت منعقد نہیں ہوئی۔" مگر جیسا کہ عرض کیا نئے ایڈیشن میں انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ یہ رائے شاہ صاحبؒ کی نہیں بلکہ حضرت عائشہؓ وغیرہ کی ہے جس نے انہیں مقابلہ پر آمادہ کیا تھا۔

ابن تیمیہؒ کے فرمودات کے ساتھ ظلم کا الزام بھی ناقابل فہم رہا۔ یہ عباسی صاحب نے کہاں کہا کہ زیر بحث شخصیتوں کے بارے میں ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی بالکل میرے ہی جیسا ہے انہوں نے تو صرف اتنا

کیا ہے کہ جن بنیادی امور میں ابن تیمیہؒ کی رائے ان کے خیال کے مطابق تھی یا جن تاریخی واقعات کو ابن تیمیہؒ نے بھی اسی صفائی سے بیان کیا تھا جس صفائی سے دوسرے لوگ بیان کرتے ہوئے کتراتے ہیں، انہی میں عباسی صاحب نے ان سے استشہاد کیا ہے۔ آپ ثبوت ظلم میں ابن تیمیہؒ کی صرف وہ عبارت نقل فرماتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت علیؓ کو حضرت معاویہؓ سے باعتبار مرتبہ افضل مانا ہے، مگر یہ تو لایعنی سی بات ہوئی۔ آخر عباسی صاحب نے یہ دعویٰ کس جگہ کیا ہے کہ ابن تیمیہؒ حضرت علیؓ کو معاویہؓ سے افضل نہیں مانتے۔ ان کی اپنی رائے کچھ بھی ہو، لیکن ابن تیمیہؒ سے تو تفضیلِ معاویہؓ کا خیال انہوں نے منسوب نہیں کیا۔

رہے وہ تاریخی حقائق جن کے بیان پر آپ نے عباسی صاحب کو قابل اعتراض تاثرات دینے کا مجرم ٹھیرایا ہے تو معاف کیا جائے کہ منہاج السنۃ سے بھی اگر آپ چاہیں تو ایسی چند عبارتیں نکال کر سامنے رکھ سکتے ہیں جن کے بارے میں یہ احتجاج کیا جا سکے کہ ان سے بڑا غلط تاثر قاری کے ذہن پر پڑتا ہے۔ مثلاً منہاج السنۃ میں وہ فرماتے ہیں:۔

"تینوں خلفاء پر امت متفق ہو گئی تھی اور ان کی سرکردگی میں کفار سے جہاد کیا تھا اور شہر فتح کئے تھے اور علیؓ کی خلافت میں نہ کفار سے جہاد ہوا نہ شہر فتح ہوتے بس اہل قبلہ ہی کے درمیان تلوار چلتی رہی۔"

کیا ٹھیک یہی بات عباسی صاحب نے سپرد قلم نہیں کی تھی جس پر آپ نے احتجاج کیا؟ یا مثلاً ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

"رائے انہی صحابہؓ کی ٹھیک تھی جو حسینؓ کو خروج سے روک رہے تھے اس وجہ سے کہ خروج میں تو نہ دنیا کی کوئی مصلحت تھی نہ دین کی بلکہ اس کے نتیجے میں سنگ دل ظالم سبطِ رسولؐ پر قابو پا گئے اور انہیں مظلوم شہید کر ڈالا۔ حسینؓ کا خروج اور قتل ایسے فساد کا باعث بنا کہ اگر وہ گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ رونما نہ ہوتا۔ انہوں نے جس تحصیل خیر اور دفع شر کا قصد کیا تھا وہ تو لا حاصل ہی رہا الٹا ان کے خروج اور قتل سے شر میں اضافہ اور خیر میں کمی واقع ہو گئی اور شر عظیم کا دروازہ کھل گیا۔"

دیکھ لیجئے عام تصورات کی روشنی میں کس قدر آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ ابن تیمیہ بڑا غلط تاثر پیدا کر رہے ہیں۔ یہاں تو ایمان یہ ہے کہ:۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور ابن تیمیہؒ خروج حسینؓ کو سراپا زیاں ہی زیاں بتلاتے ہیں۔

—— (✻) ——

اختتام پر جو نصیحت آمیز سطور آپ نے لکھی ہیں ان کی ہم بھی تحسین کرتے ہیں، مگر یہ اسی وقت زیادہ کارگر تھیں جب عباسی صاحب نے حضرت علیؓ یا حضرت حسینؓ کے کسی فعل و رائے کو معصیت قرار دیا ہوتا۔ انہیں عذاب آخرت کا مستوجب گردانا ہوتا، لیکن یہ ان کی کتاب میں نہیں ملتا ——

یزید کے بارے میں خود ہم بھی اتنے اونچے خیالات نہیں رکھتے جتنے عباسی صاحب کے ہیں لیکن وہ اگر اپنے دلائل کی بنا پر اسی پوزیشن کو صحیح سمجھتے ہیں جسے کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے تو اسے خارجیت اور ناصبیت بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ نہ بے اعتدالی اور اندھی جانب داری کا نام دے سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم واحکم۔ (ماہنامہ تجلی)

ترجمان القرآن کے تبصرہ نگار نے صاحب روح المعانی السید محمود الآلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ کی نقل کردہ حدیث سے جس میں ان لوگوں پر اللہ اس کے فرشتوں اور پوری نوع البشر کی لعنت بھیجی گئی ہے جو اہل مدینہ پر ظلم کریں اور انہیں خوف زدہ کریں یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مستحق لعنت امیر یزید ہیں کیونکہ باغیان مدینہ کے خلاف جو پولیس ایکشن کیا تھا اس میں اہل مدینہ پر اس طرح کے مظالم ہوئے تھے کتاب خلافت معاویہؓ و یزید کے تیسرے اڈیشن میں تفصیلی گفتگو آچکی ہے اور مظالم کی مبالغہ آمیز داستانوں کی قلعی کھولی جاچکی ہے۔ تبصرہ نگار اس کتاب میں خروجوں کے حالات ملاحظہ فرمائیں اس حدیث کا انطباق جن لوگوں پر ہوتا ہے ان کی نشان دہی واضح طور سے ہو گئی ہے خصوصاً قرامطہ کی جنہوں نے اہل مدینہ و اہل مکہ پر جو ظلم کئے خونریزیاں کیں، حجر اسود کو اکھاڑ لے گئے اور بیسیوں برس تک اپنے پاس رکھا اس کتاب کے صفحات پر ان کی تفصیلات موجود ہیں۔

تبصرہ نگار کی ذہنیت کا اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کئی سال کے بعد بھی جب تیسرا اڈیشن کتاب کا شائع ہو گیا تھا اور پچھلے اڈیشن میں جو عبارتیں ترک ہو گئی تھیں انہیں درج کر دیا گیا، شاید زبان طعن دراز کرنے کے لئے انہوں نے پہلے ہی اڈیشن پر تبصرہ منحصر کیا اور متقدمین کی تضاد بیانی سے فائدہ اٹھا کر امیر یزید کی منقصت میں جو کچھ ان کے ہاتھ آ گیا اسی سے استدلال کیا ہے یہ باتیں اہل علم کی شان سے بعید ہیں مناقب کی وضعی حدیثوں سے کب تک کام چلے گا جس مقصد سے وضع ہوئی تھیں وہ زمانہ اور وہ حالات اب باقی نہیں بخصوص تاریخی واقعات کی تردید میں یہ ہتھیار بیکار ہو چکے ہیں۔ (م - ا - ع)

تقریظ و تبصرہ

از قلم جناب مولانا عبدالوہاب صاحب آروی
صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس
دہلی مورخہ ۱۵ر نومبر ۱۹۵۹ء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے جانشین امیر یزیدؒ کے متعلق تاریخی دلائل و شواہد کیا ہیں ان سے ناآشنائی یا دیدہ دانستہ قطع نظر کرکے ہندو پاک کے مسلمانوں کے خیالات و رجحانات کیا ہیں؟ ان کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کے ایک مشہور دہلوی پیر اور نامور اہل قلم نے "طمانچہ بر رخسار یزید" نامی کتاب لکھنے میں اپنی سعادت سمجھی۔ ایک طرف اس واقعہ کو رکھئے دوسری طرف۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر نظر ڈالئے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اور سوچئے کہ "یزید دشمنی" کی اصلیت اور اس کی وجہ کیا ہے؟ ارشاد ہے کہ اول جیش من امتی یغزون البحر قد اوجبوا[1] یعنی میری امت کی یہ پہلی فوج جو بحری جہاد کرے گی اس کے لئے جنت واجب ہو گی۔ امت کی یہ پہلی فوج جس نے بحری سفر کرکے نصرانیوں کے دار السلطنت قسطنطنیہ پر جہاد کیا اس کے سردار (سپہ سالار) امیر یزید بن امیر معاویہؓ تھے۔ اور امیر یزیدؒ کی اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ کرام حضرت ابو ایوب انصاریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور خود حضرت حسینؓ بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

یہ حقیقت ہے کہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بڑا ہی سنگین ہے۔ حضرت ممدوح کی شہادت مدینۃ النبی میں اور خود ان کے سکونتی مکان میں ایسی حالت میں ہوئی جبکہ وہ مسلمانوں کے بالاتفاق امیر المومنین اور خلیفہ تھے اور ان کی اطاعت اور ان کی جان و مال کا احترام تمام مسلمانوں پر فرض تھا، جن میں قاتلین بھی شامل تھے اور قتل سے پہلے کئی

[1] یہ دوسری حدیث ہی امیر یزید کی مغفرت کے بارے میں ہے جو حدیث ہے اس کے الفاظ ہیں اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر

دنوں تک ان کے مکان کا اسی طرح محاصرہ کرلیا گیا تھا، کہ باہر سے ایک قطرہ پانی کا اور ایک دانہ اناج ان کو اور ان کے بچوں کو نہیں پہنچے۔ حضرت عثمانؓ اور ان کے بچے پیاس اور بھوک سے تڑپتے رہے اسی حالت میں گھر میں زبردستی گھس کر ان کو شہید کر دیا گیا۔

لیکن آج کئی ہزار میں شاید دو ایک ہی مسلمان ایسے نکلیں گے جو اس بات کو جانتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ اپنی طبعی موت سے نہیں مرے بلکہ شہید کئے گئے۔ اور اگر یہ دریافت کیا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کس مہینہ اور کس تاریخ میں ہوئی اور قاتلوں کے نام کیا تھے۔ تو ان سوالوں کا جواب لاکھوں مسلمانوں میں مشکل ہی سے کوئی دے سکے گا۔

اس کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا چرچا پوری تفصیل کے ساتھ چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ہے اور محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں "ہائے حسین" "آہ حسین" کی ماتمی صدا ہر جگہ سنی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کتاب و سنت اور اہل السنت والجماعت کی فقہی کتابوں میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ بجز اس کی وجہ سیاسی منافشات اور مصالح کے کچھ اور بھی ہے۔ حضرت حسینؓ کے ساتھ ہمدردی کے نام غیر شرعی مظاہروں اور اس میں بعد غلو کا لازمی نتیجہ تھا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت جن کے ہاتھوں ہوئی ان سے انتہائی نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا جاتے۔ ان پر سب وشتم کیا جائے لعن وطعن کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ عبید اللہ بن زیاد اور امیر یزید کو بھی اسی گز سے ناپ دیا جائے اول الذکر اس لئے کہ اس نے حضرت حسینؓ کے مقابلہ میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اور امیر یزید کو اس لئے کہ انہی کے دور حکومت میں سب کچھ ہوا تھا۔

عام مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے نکالنے کی سعی برابر علمی وحسن کرتے آئے۔ ایک طرف تو وہ مکتب خیال تھا۔ جو حضرت علیؓ اور ان کے محترم صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے ہمدردی اور اس میں انتہائی غلو کے پیش نظر جھوٹی جھوٹی حدیثیں اور تاریخی روایات گڑھنے سے بھی باز نہیں آیا۔ دوسری طرف اہل السنت والجماعت کے وہ اکابر علماء تھے جو احقاق حق اور باطل کا ابطال کرتے رہے۔ اب سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے شیخ عبد المغیث حنبلیؒ نے امیر یزیدؒ کے حسن سیرت اور اوصاف کے متعلق ایک مستقل کتاب "فضل یزید" کے نام سے لکھی۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فتویٰ دیا کہ امیر یزیدؒ صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ اور ان کے لئے "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا مستحب ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی مشہور تالیف "منہاج السنہ" میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کی منقبت ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ

کی معرکۃ الآراء کتاب "ازالۃ الخلفاء" اس باب میں بہت ہی مفید اور جامع ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے "خلافت معاویہ و یزید" کے فاضل مولف مولانا محمود احمد صاحب عباسی کو جنہوں نے تاریخ اسلامی کے ان جواہر پاروں کو تحقیق و ریسرچ کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اس نادر علمی اور تاریخی کتاب کے مطالعہ سے حضرت امیر معاویہؓ اور امیر یزیدؒ کا صحیح مقام اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور خاندان بنو ہاشم و بنو امیہ کے نامور افراد کے مستند حالات اور ان کے باہمی خوشگوار تعلقات اور جنگ جمل و صفین اور کربلا کے اسباب و واقعات معلوم ہوں گے، اور سیاسی منافشات و مصالح کے پیش نظر امیر معاویہؓ و امیر یزیدؒ کے خلاف مخالف کیمپ سے جو مذموم اتہامات اور غلط الزامات لگائے جاتے ہیں ان کا تشفی بخش اور مسکت جواب دیا جا سکے گا۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ عباسی صاحب کی ہر تحقیق (ریسرچ) صحیح ہی ہو اور اس کتاب میں شروع سے آخر تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب کا سب حرف آخر کا ہی حیثیت رکھتا ہو، بلکہ اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی توقع مولانا عباسی جیسے عالی دماغ اور بلند پایہ اور منصف مزاج مورخ کے معتدل قلم سے نہیں ہو سکتی تھی مثلاً ایک جگہ یہ عنوان قایم کیا گیا ہے کہ "حضرت علیؓ کی خلافت سے معزولی اور شہادت" اور اس کے تحت لکھا گیا ہے کہ :-

"ثالثوں نے اتفاق رائے سے حضرت علیؓ کو منصب خلافت سے معزول کر کے نئے خلیفہ کے انتخاب کا مسئلہ اہل حل وعقد کے مشورہ پر منحصر کیا اور یہ قرار دیا کہ جب تک انتخاب خلیفہ کی کارروائی مکمل نہ ہو فریقین اپنے اپنے مقبوضہ علاقوں پر قایم رہیں۔"

اس عنوان اور اس کے ذیل میں خط کشیدہ عبارت کا مطلب تو یہ ہوا کہ صفین ہی کے موقع پر حضرت علیؓ مسند خلافت سے الگ کر دئے گئے اور اس کے بعد ان کی حیثیت خلیفہ کی نہیں بلکہ ایک عارضی گورنر کے ہو گئی۔ اور یہ مسلک اہل السنت والجماعت کے خلاف ہے۔ علمائے اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت واقعہ صفین کے بعد بھی تا دم شہادت باقی تھی اور اس کا شمار خلافت راشدہ یعنی علی منہاج النبوت میں بالاتفاق ہے۔ اگر یہی بات تھی جو عباسی صاحب نے لکھا ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ ثالثوں نے اس وقت جدید خلیفہ کا انتخاب ارباب حل وعقد کے مشورے سے کیوں نہیں کر دیا؟ اور امت کو ایک غیر معین مدت کے لئے بے امام اور خلیفہ کے کیوں چھوڑا؟ حالانکہ امت کے نزدیک امام یا خلیفہ کا نصب تمام مہمات سے اہم ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے نصب

امام کے معاملہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین پر مقدم رکھا۔

صفین کے موقع پر ثالثوں کی تجویز کا مطلب کیا اس کے سوا کچھ اور تھا؟ کہ فریقین حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ اپنی اپنی حیثیت پر اس وقت تک باقی رہیں جب تک بالاتفاق رائے کسی خلیفہ کا انتخاب نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کی حیثیت خلیفہ کی تھی، اور حضرت معاویہؓ پہلے سے شام کے گورنر تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ حضرت علیؓ کے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور رفتہ رفتہ اتنا سنگین بن گیا کہ اس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور صفین کے ہولناک واقعات رونما ہوئے۔ اور حضرت علیؓ کے پورے شش سالہ دورِ خلافت میں سکون حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے تمام بلادِ اسلامیہ پر ان کی خلافت و قیادت کا سکہ رواں دواں نہیں ہوا، لیکن اس پر تو تمام امت سلف سے لے کر خلف تک کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ تھی اور تادم شہادت وہ خلیفہ رہے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ کی امارت یا خلافت کو خلافت راشدہ یعنی علی منہاج النبوت کہنا علمائے اہل سنت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور عباسی صاحب کا روایت الخلافۃ ثلثون سنۃ کو موضوع قرار دینا بھی صحیح نہیں تفصیل و بسط کا یہ موقع نہیں۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔

اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ امامت یا خلافت کا مسئلہ کوئی ایسا اصولی مسئلہ نہیں جس کی معرفت ہر مکلف مسلمان پر واجب ہے۔ لیکن چونکہ شیعہ حضرات نے اس کو اصولی بنا کر اس میں چند چیزیں ایسی داخل کر دیا ہے جو جمہور اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں اس لئے متکلفین نے بھی یہ طریقہ اختیار کیا کہ نبوت سے بحث کے بعد امامت یا خلافت کا ذکر کرتے ہیں ــــ

اعلم مسئلۃ الامامۃ لیست من الاصول التی یجب علی کل مکلف معرفتھا عند اھل السنۃ والجماعۃ لکن لما جعلھا الشیعۃ من الاصول وزعموا فیھا امر مخالفۃ لمذھب الجمھور جرت عادۃ المتکلفین الخ۔

(حاشیہ شرح عقائد نسفی ص۱۰۹ مطبوعہ علیمی دہلی)

مولانا محمود احمد صاحب عباسی کے یہ علمی اور تاریخی مضامین جواب کتابی صورت میں خلافت معاویہ و یزید کے نام سے طبع ہو گئے ہیں۔ جس وقت ماہانہ رسالہ "تذکرہ" کراچی میں "الحسین پر تبصرہ" کے عنوان سے یہ مضامین بالاقساط شائع ہو رہے تھے دفتر اخبار "ترجمان" دہلی کی وساطت سے

ان کی متعدد آخری قسطیں میری نظر سے گزریں، جن میں صفین و کربلا کے واقعات کے بعد ہاشمی اور اموی قرابتوں اور خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اموی اور مروانی خاندانوں میں رشتہ داریوں کا تفصیلی ذکر تھا۔ مضمون چونکہ خالص علمی اور تاریخی تھا۔ اس لئے اسی وقت خیال ہوا کہ اگر یہ کتابی صورت میں شائع ہو جاتا تو اس سے زیادہ فائدہ پہنچتا۔ کچھ عرصہ کے بعد دہلی جانا ہوا اور مولانا مفتی سید حفیظ الدین صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان سے معلوم ہوا کہ اب ان تمام مضامین کو جو تذکرہ میں قسط وار شائع ہوئے تھے۔ کتابی شکل میں لانے کا اہتمام ہو رہا ہے۔ اس موقع پر مفتی صاحب ممدوح نے فرمایا کہ "اچھا ہو تا آپ بھی ایک تقریظ لکھ کر دیدیتے میں اس کو کراچی بھیجدوں گا"۔ مضمون کی چند قسطیں نظر سے گزر چکی تھیں جو ہر طرح سے قابل تحسین تھیں اور جن سے فاضل مؤلف کے فکر عالی طرز استدلال۔ انداز نگارش۔ اور خصوصًا فن تاریخ واسماء الرجال اور علم الانساب میں مہارت اور مستند کتابوں سے قیمتی مواد کی فراہمی اور ان کی تحقیق (ریسرچ) کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود اسی وقت ارتجالاً ایک مختصری تقریظ لکھ کر مفتی صاحب کو دیدی جو کتاب کے ساتھ چھپ گئی ہے۔

اب جبکہ "خلافت معاویہ و یزید" کے نام سے کتاب چھپ گئی ہے، جن میں وہ مضامین بھی ہیں جو "تذکرہ" کراچی کے چند شماروں میں میری نظر سے گزرے تھے۔ اور وہ بھی ہیں جن کو میں نہیں دیکھ سکا تھا تو اس وقت بھی اس کتاب کی افادیت اور اس کی اہمیت و ضرورت اور اس کے فاضل مؤلف کے فکر بلند۔ بے تعصبی اور تبحر علمی کے متعلق میرے تاثرات وہی ہیں جو اس پر تقریظ لکھتے وقت تھے لیکن اس کے ساتھ ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کتاب کے اس حصہ میں جس کو طباعت سے پہلے میں نہیں دیکھ سکا تھا۔ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو علمائے سنت کی تصریحات کے خلاف ہیں تمثیلاً بعض بعض مقامات کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ چونکہ فاضل مؤلف کے پیش نظر اصلاح امت ہے اس لئے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اگلے ایڈیشن میں جمہور علمائے سنت کی تصریحات اور ان کے مسلک کی روشنی میں اصلاح کر دی جائے گی۔ اس طرح کتاب کی افادیت بڑھ جائے گی۔

مولانا محترم نے جن امور کے بارے میں خاکسار مؤلف کو توجہ دلائی ہے عرض ہے کہ صفین کے موقع پر تو صرف ثالثی کا تقرر ہوا تھا معزولی کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا بعد میں خود حضرت علیؓ ہی کے فریق ثالث نے انکی معزولی کا فیصلہ صادر کر دیا تھا جو حضرت علیؓ نے قبول نہ کیا تھا الخلافۃ ثلثون سنۃ کی وضعی حدیث کی نفی تو آنحضور کے اس ارشاد سے جو مطابق واقعہ ہو جاتی ہے کہ جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے اسلام کو قوت شوکت حاصل رہے گی (م - ع)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطعۂ تاریخیۂ عربیّہ

(از حضرت علامہ تمنا عمادی۔ ڈھاکہ)

نَقَّبْتَ یا محمودُ من سُنَنِ الهُدیٰ ۔۔۔ ة وخابَ مسعیٰ کارهٍ او طائعِ

اے محمود! تم نے رہنمایانِ دین کی سنتوں کی بڑی تلاش کی ۔۔۔ اور (دانا مخالفین کی) خواہستہ اور (نادان نہ ستوں کی) ناخواستہ (مخالفانہ) کوششیں ناکام رہیں۔

فَلَنِعْمَ صُنْعُكَ رابحاً مسترجحاً ۔۔۔ اَصْنِعْ بذاك الصُّنْعِ خیرَ صنائعِ

تو کیا اچھی یہ تمہاری صنعت ہے، نفع بخش جس سے نفع حاصل کیا جائے ۔۔۔ یہ ایک عجیب و غریب صنعت ہے سب صنعتوں سے بہتر

لَجَنَیْتَ من روضِ الحیوۃِ جَنِیَّةً ۔۔۔ تُجْنیٰ لِحَقٍّ فهیَ لیس کمائعِ

البتہ تم نے باغِ زندگی سے ایسے ایسے عمدہ پھل چنے ۔۔۔ جو حق کے مطابق چنے گئے اور وہ کسی بہہ جانے والی چیز کی طرح بہہ جانے والی نہیں ہیں

یَرْنُو لَهُ اَعْیانُ الکبارِ واَعْـ ۔۔۔ ـترفوا به، وَاَلَوا القولَ الرائعِ

بڑے بڑے لوگ اس کو رغبت و شوق کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ۔۔۔ سب نے اس کا اعتراف کیا، اور اس کے متعلق اچھے الفاظ پیش کئے

شابَ الزمانُ وما اَتیٰ بصحیفةٍ ۔۔۔ تَمْتازُ من اَخَواتِها بروائعِ

زمانہ بوڑھا ہو گیا۔ اور کوئی ایسی کتاب پیش نہ کر سکا ۔۔۔ جو اپنی ہم رتبہ کتابوں سے عمدہ معقول باتوں میں ممتاز ہو

اِلّا صحیفةَ عالمٍ مُتَحَدِّثٍ ۔۔۔ عمّا رَوِی تاریخُ اَهلِ وقائعِ

بجز اس بڑے عالم کی کتاب کے جو خبریں بتاتے ہیں ۔۔۔ ان باتوں کی جن کو واقعات والوں کی تاریخ روایت کرتی ہے

هذا لَعَمْرُ اللهِ من اَعمالِهِ ۔۔۔ عَمَلٌ یُثابُ علیه لیس بضائعِ

قسم ہے اللہ کی۔ ان کے اعمال میں سے یہ ۔۔۔ ایک ایسا عمل ہے جس پر ان کو ثواب ملے گا۔ ضائع نہ ہوگا۔

قد مازَ من سُنَنِ الذین تَسابقوا ۔۔۔ کم تُرَّهاتٍ فضائحٍ وفظائعِ

اس عالم نے سابقین اولین (صحابہ) کی روشوں کو الگ کر دکھایا ۔۔۔ کتنے رسوا کن اور نہایت برے پروپاگنڈوں سے

عہ وما کے بعد کے الفاظ بعد کے شعروں میں ہیں جن کی حیثیت مفعول کی ہے۔

عہ ۱۰۰ [illegible]

وَاخَیْبَتاهُ فانَّ کم من اَمْرِنا ۔۔۔ حقٌّ وفی الامصارِ لیس بشائعِ

ہائے رے ناکامی! ہمارے کتنے امور ہیں ۔۔۔ جو حق ہیں، مگر ملکوں میں شائع نہیں ہیں

کم من خفیٍّ فی السرائرِ صِدْقُهُ ۔۔۔ واشِدٌّ فی البطلانِ کم من ذائعِ

اور ایسی کتنی باتیں پوشیدہ ہیں جن کی سچائی (اہلِ علم کے سینوں میں) ۔۔۔ اور ایسی کتنی باتیں مشہور ہیں جو بالکل ہی باطل ہیں۔

ودفاترٍ محشوّةٍ بِاَباطلٍ ۔۔۔ وجوامعٍ مملوّةٍ بشنائعِ

کتنے دفاتر ہیں جو باطل باتوں سے لبریز ہیں ۔۔۔ (اور) کتنے مجموعے ہیں جو جھوٹی بری خبروں سے بھرے ہوئے ہیں

اَسْلافُنا الاَخیارُ کانوا خِیرَةً ۔۔۔ وَرَدائعُ الاخیارِ خیرُ ودائعِ

ہمارے اچھے اسلاف بہترین لوگوں میں سے تھے ۔۔۔ اور اچھے لوگ جو کچھ سپرد کر جاتے ہیں وہ اچھی ہی چیز ہوتی ہے

السابقین الاولین الراشدین ۔ هُمْ لِجُنْدِ اللهِ مثلُ طلائعِ

کس قدر اچھے وہ اگلے سبقت لے جانے والے ہدایت یافتہ لوگ تھے ۔۔۔ وہی لوگ اللہ کی فوج کے مقدمۃ الجیش تھے

طلّاعُ اَنْجِدَةِ الکرامةِ کلُّهُمْ ۔۔۔ احسانُهم جارٍ کماءٍ ثائعِ

ان میں کا ہر ایک بزرگی کے مہمات کا سر کرنے والا تھا ۔۔۔ ان کی نیک کرداری بہتے پانی کی طرح (دنیا میں) پھیلی ہوئی ہے

فارنوا نهوضَ القومِ یا اهلَ النُّهیٰ ۔۔۔ لمّا تجلّی من مُعِلٍّ نائعِ

تو اے ہوشمندو! قوم کے اٹھ کھڑے ہونے کو غور سے دیکھو ۔۔۔ جب ایک ابھارنے والا آگے بڑھانے والا ظاہر ہو گیا

هذا الکتابُ اُحْکِمَتْ ابحاثُهُ ۔۔۔ بوسائلٍ حسنیٰ وخیرِ ذرائعِ

یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی بحثیں بہت مستحکم ہیں ۔۔۔ بہترین وسائل اور اچھے اچھے ذرائع سے

هذا الکتابُ مائدةٌ علیها اَطْعُمٌ ۔۔۔ مُدَّتْ الی سُغْبانَ اَحْوَجَ جائعِ

یہ ایک ایسا خوانچہ ہے جس پر طرح طرح کے کھانے ہیں ۔۔۔ جو کسی خالی پیٹ والے حاجت مند کے آگے رکھا گیا ہے

هذا طعامٌ اَوْ شرابٌ طیّبٌ ۔۔۔ یَدْعُو به من جائعٍ او نائعِ

یہ ایک غذا ہے یا ایک پاکیزہ شربت ۔۔۔ جس کو بھوکا یا پیاسا طلب کر رہا ہے

عہ یہ تینوں کلمے منصوب بالمدح ہیں

إنّ القلوب إليه تجذب دائما — جذب الحديد بطبعه لطبائع

بلاشبہ دل اسکی طرف برابر کھنچتے ہی چلے جائیں گے — اس طرح جیسے لوہے کی طرف طبائع کیلئے ایک کشش پیدا ہوگئی ہو

طوبى لكتبي البلاد فإنه — ربح به للمشتري والبائع

شہروں کے کتب فروشوں کے لئے مبارکباد ہے کہ — اس میں خریدار اور بیچنے والے دونوں کا نفع ہے۔

إني بربي مولع بمديحه — لكن لي غمص لفقد بضائع

قسم ہے میرے رب کی کہ میں اس کتاب کی مدح وثنا کا بیحد گرویدہ ہوں — لیکن کیا کروں اپنی بے بضاعتی سے دردمند ہوں

لا سيما لما أرى إخواننا — مستحسنين شيوع سوء صنائع

خصوصاً جب میں اپنے بھائیوں کو دیکھتا ہوں — بری باتوں کی اشاعت کو پسند کرتے ہوئے

حسبوا اختراعات لهوى حسنا لهم — وتخيروا في الدين شر بدائع

ہوا وہوس کے ایجادات کو لوگوں نے نیکیاں سمجھ لی ہیں — اور بدترین بدعتوں کو دینی حیثیت سے اختیار کرلیا ہے۔

ملئ الفؤاد كآبة وجراحة — من دأبهم أو هم لنا كنزائع

دل کوسیدگی اور زخم سے بھر گیا — ان کی روش نے کیا کیا؟ لوگ دوسرے قبائل کی عورتیں ہیں جو ہمارے یہاں بیاہ کر آگئی ہیں اور اب اپنے لوگوں کی طرف کھینچی جارہی ہیں۔

المسلمون تكلفوا بشريعة — والآن هم أيدي سبا بشرائع

سارے مسلمان ایک شریعت کے مکلف کئے گئے تھے — اور اب یہ لوگ بہت سی شریعتوں سے الگ الگ وابستہ ہیں

متنفرين عن الهدى أما الهوى — فإليه ميلهم كغصن نائع

ہدایت سے بری طرح متنفر ہیں۔ مگر خواہش نفس — تو اس کی طرف ان کا میلان اس طرح ہے جیسے درخت کی شاخ (کسی طرف) جھکی ہو۔

يا ليتهم شعروا إذا ما استكبروا — للموت كل الناس مثل نقائع

اے کاش جس وقت یہ لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں ہوتے ہیں یہ بھی سمجھتے — کہ سب لوگ موت کے لئے ایسے ہیں جیسے ذبح کئے گئے ہوں۔

مه يا لهفتا أو امش فردا واصطبر — لا تلقين هناك من متشائع

جب ہو جائے تمنا اور تنہا ہی اپنی راہ لے۔ اور صبر کرلے — تو یہاں کسی کو بھی راہ کا ساتھی کبھی نہ پائے گا۔

ع منصوب بالذم۔

ألا أخا حبا حبيبا مخلصا — بايعته بالحب خير مبائع

بجز ایک حبیب محبوب مخلص بھائی کے — جس کے ہاتھ پر تونے ایک اچھے بیعت کرنیوالے کی حیثیت سے محبت کی بیعت کی ہے

أخيت عن محمود احمد فاغتنم — أرجوه أن سيكون خير مشائع

تونے جو محمود احمد صاحب سے بھائی چارا قائم کرلیا ہے تو اسکو غنیمت جان — میں امید رکھتا ہوں کہ وہ عنقریب ایک اچھے رفیق راہ ثابت ہوں گے

هو من يحبك من صميم فؤاده — وتحبه حبا كحب لائع

وہ (بھی) تجھ سے تہ دل سے محبت کرتے ہیں — اور تو (بھی) انسے ایسی محبت رکھتا ہے جو بیمار دل والی محبت کی طرح ہے

هذي صحيفة قد طبعت فخذ — ذكرى لأصحاب العلى وتابع

یہ ان کی کتاب ہے جو چھپ گئی تو اب اسکو لے لے — یہ نصیحت ہے جھگڑنے والوں اور ادبیات مانگ کر ہاتھ بڑھانیوالوں کے لئے

فيخرجون من البطون حقودهم — متهوعين إذن كهياة هائع

تو اب یہ لوگ اپنے کینوں کو پیٹ کے اندر سے نکال پھینکیں گے۔ — جس طرح قے کرنیوالے پیٹ کی غذا اگل دیتے ہیں۔

واستغفر الله الكريم وعذ به — من كل أهوال وكل فجائع

اور اپنے رب کریم سے مغفرت طلب کر اور پناہ ڈھونڈ — ہر طرح کے ہولوں سے اور ہر طرح کی مصائب سے

وبه تعوذ في سبيل الدين من — متشايع متفرع أو قائع

اور اسی کی بارگاہ میں پناہ ڈھونڈ دین کی راہ میں — ایسے ساتھی سے جو کترا کے نکل جانیوالا ہو یا پھسل جانیوالا ہو۔

وإذا سئلت فقل لهم تاريخه

اور جب تجھ سے پوچھا جائے تو لوگوں سے اس کے (چھپنے) کی تاریخ کہہ

"هذا كتاب سابق ببدائع"

یہ کتاب ہے بہترین نئی باتوں پر سبقت لیجانے والی۔

قطعہ تاریخ فارسیہ

از قلم: علامہ تمنا عمادی مقیم ڈھاکہ مشرقی پاکستان

چہ کتابے نوشت محمودم | نیک تریاقِ زہر تاریخ است
ہست جامے جہان نما کہ درو | حال ہر سرِ دہر تاریخ است
تشنۂ حق ازین شود سیراب | شاخ شیرین ز نہر تاریخ است
طبع چون گشت معدن تاریخ | نقرہ خوش ز بہر تاریخ است

سال طبع مسیحش روشن
ز آفتاب سپہر تاریخ است
۱۹۶۷ع

ایضاً

بول اٹھا جس نے بھی دیکھی یہ کتاب بے مثل | کلمۂ صدق کی تصدیق ہی تحقیق مزید
مصرعِ سال طباعت یہ تمنا لکھ دو | لوح دیباچہ تحقیق ہے تحقیق مزید
۱۳۸۷ھ

نذرِ عقیدت

از قلم علامہ تمنا عمادی ڈھاکہ

(بزبان اردو)

اہل حق بھی کہیں باطل سے دبا کرتے ہیں | راست گوئی میں کبھی شرم و حیا کرتے ہیں؟
خلطِ مبحث نہیں کرتے ہیں پسند اہل صفا | حق سے باطل کو ہمیشہ یہ جدا کرتے ہیں
پرسشِ حشر سے ڈرتے ہیں جو کچھ لکھتے ہیں | دل میں محسوس بہت خوفِ خدا کرتے ہیں
جانتے ہیں، کہ ہے کتمانِ حقیقت کیا چیز | جو سمجھ کر کبھی قرآن پڑھا کرتے ہیں
ان کے مذہب میں تقیہ، نہ تعصب نہ غلو | حق کے جو بندے ہیں وہ حق ہی کہا کرتے ہیں
حق کو حق، اور جو باطل کو بتاتے باطل | اس سے جو لوگ خفا ہیں وہ جفا کرتے ہیں
اہل باطل کی حمایت کو جو اٹھ بیٹھے ہیں | الٹے پوچھے تو کوئی آپ یہ کیا کرتے ہیں
دھمکیاں دے، کہ کوئی آنکھیں دکھائے ان کو | گھڑکیوں سے کبھی حق گو بھی ڈرا کرتے ہیں؟
ان کو پروا نہ کبھی "لومۃ لائم" کی رہی | دین کا کام جو از بہرِ خدا کرتے ہیں
کوئی مومن نہیں رہتا ہی مداہن ہو کر | صاف ہی بات سدا اہل صفا کرتے ہیں
بارک اللہ لک اے حضرت محمود احمد | آپ کے حق میں بہت لوگ دعا کرتے ہیں
لاتخف ان ربک یجزیک جزاءً حسناً | جو برا کہتے ہیں تم کو وہ برا کرتے ہیں
"آفرین باد برین ہمت مردانہ تو" | آدمی کیا ہیں، ملک تک بجا کہتے ہیں

آپ کی داد تمنا ہی نہیں دیتا صرف
اہل انصاف سبھی مدح و ثنا کرتے ہیں

(ایضاً بزبان پارسی)

خانۂ محمود چوں رایت املا کشید | پایۂ تاریخ را از ہمہ بالا کشید
از پئے احقاق حق وز پئے تکذیب کذب | زحمت ہر روزہ برد محنت شبہا کشید
طاقت ذہن و قلم، قوت صدق و صفا | از چہ فسوں ہر دو را در حد احصا کشید
وہ چہ کتابے نوشت، جاذب انظار خلق | سوئے خود از ہر طرف دامن دل را کشید
نسخۂ تاریخ را طبلۂ عطار ساخت | گل ز چمنہار بود، عطر ز گلہا کشید
ہر سطرش در جہاں معجزۂ ہچو میل | کحل بصیرت بہر دیدۂ عمیا کشید
طرفہ نہاد است خواں، داد صلائے برآں | از پئے روشن دلاں سفرۂ یغما کشید
شکر خدا، کاندریں، دور زماں دست حق | بر رخش از نقش چاپ معجر زیبا کشید
دجل، کہ بنہادہ بود، رخت خود اندر جہاں | بر سر خود چادرے از پر عنقا کشید
فارس میدان کذب، پیش ازیں ہر کہ بود | دردۂ دامان یاس پیش جہاں پا کشید
بود بدل ہر کرا رفض ز اہل وفا | دل بتولا نہاد و رخ ز تبرا کشید

بست چو محمود من نقش خوشے در سیر
نقش نوی در ثنا کلک تمنا کشید

التہنیات للحضرۃ العلامہ محمود احمد العباسی بالفتح العظیم فی القضیۃ العظمیٰ بینہ و بین اللاعنین

(جناب اقبال احمد العمری ایم اے، ایل ایل بی)

جزی اللّٰہ محمودا عن الحق ما بدا | لہٗ فی الاعادی ما انتہا المشارق
اللہ محمود (احمد عباسی) کو اچھا بدلہ دے | اور تمام جھگڑوں میں حق ظاہر ہو کر رہا
بحق مبین ما کسبت علی الخنی | تبارکت ما ترجوا، یشاء الصادق
لوگوں کی بدگوئی میں جو حق ظاہر ہوا | وہ اللہ آپ کو مبارک کرے
حمیت الحمی الحامی الحر حمیۃ | من اللوم لیس المجد ابدا لصادق
تم نے آزاد مرد کی طرح ملامت کے مقابلہ | میں حمایت کی اور شرافت کبھی اسکی دوست نہیں ہوتی
یھنیک قلبی التہنیات الاطابیا | کما ذرت الافاق ما ذر شارق
میرا دل نہیں اچھی طرح مبارکباد پیش کرتا ہے | اس وقت تک کے لئے جبتک زمانہ قائم رہے اور ذرات چمکیں

رعی من رعی الانصار للّٰہ حسبۃ
اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے جو اس کے دوستوں کی حفاظت

لہٗ کالغزاۃ الغر والبرق صاعق
کرتے ہیں اور انکی روشن جبین کو غازیوں کا اور چمکنے والی بجلیوں کا رتبہ دیتا ہے۔

حاجیوں کے نام حضرت عثمانؓ کے آخری خط کے فقرے

ابتداء میں کلام اللہ کی چودہ آیتیں درج کرنے کے بعد تحریر کیا تھا کہ :-

امابعد! جو لوگ میرے متعلق یہ سب باتیں کہتے ہیں وہ بظاہر اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حق کی طرف بلاتے ہیں، وہ کہتے ہیں، دنیا ان کا مقصود نہیں، پھر جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو لوگ مختلف خیال کے ہو گئے، کسی نے تو حق کا دامن پکڑ لیا، کسی نے انکار کیا، کسی نے محض اس شوق میں کہ تجبر اور بلا حق منصب خلافت حاصل کریں حق کو چھوڑ دیا، میری عمر کے ساتھ اقتدار کے لئے ان کی امیدیں بھی طویل ہو چکی ہیں۔

اس لئے وہ عجلت سے کام لے رہے ہیں۔ انہوں نے آپ لوگوں کو لکھا ہے کہ وہ میرے وعدے کے سلسلے میں دوبارہ آئے ہیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ میں نے کوئی ایسی بات چھوڑ دی ہے جس کا میں نے ان سے عہد کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ وہ مجھ سے حدود جاری کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، میں نے کہا ایک کے بارے میں تم جاری کرو جس کے متعلق تم جانتے ہو کہ وہ مجرم ہے، جس نے تم پر دور یا نزدیک سے ظلم کیا ہو اس پر تم حد جاری کرو۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھا جائے، میں نے کہا پڑھے جسے پڑھنا ہے لیکن جو بات خدا نے نازل نہیں کی ہے اس میں غلو اور تشدد سے کام نہ لے۔ انہوں نے کہا درماندہ اور بیکسوں کی امداد ہونی چاہیے، مال کے ذریعے اچھی اور مفید راہیں نکالنی چاہئیں خمس اور صدقات کے بارے میں بے عنوانی نہیں ہونی چاہیے، اچھے قوی ایمان دار اور متقی افراد کو حاکم بنانا چاہیے۔ مظلوموں کو انصاف ملنا چاہیے، میں نے یہ تمام باتیں منظور کیں، میں ازواج مطہرات کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کرتے ہوئے سوال کیا مجھے کیا حکم دیتی ہیں انہوں نے کہا عمرو بن العاص کو حاکم بناؤ اور عبداللہ بن قیس کو اور معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دو۔ ان کو آپ کے پہلے خلیفہ نے حاکم بنایا ہے، پھر ان سے ان کی حکومت کے لوگ خوش ہیں عمرو بن العاص کو ان کے عہدے پر لوٹا دو، ان کا صوبہ ان سے راضی ہے۔ یہ سب باتیں میں کر دیں لیکن اس نے

لہ طبری کے متعدد نسخوں میں اسی طرح ہے کہ اقیموھا علی من علمتم تعدا ھا فی احد ی

مجھ پر زیادتی کی اور حق کی حدود سے متجاوز ہوا،

میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں اور میرے وہ ساتھی جنہیں خلافت کی طمع ہے جلد بازی سے کام لے رہے ہیں انہوں نے مجھے نماز سے روک دیا ہے میرے اور مسجد کے درمیان حائل ہو گئے اور مدینے میں لوٹ اور غارت گری مچا دی ہے، میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں اور یہ لوگ میرے سامنے تین باتیں پیش کر رہے ہیں ایک تو یہ کہ میں ہر اس شخص کو بدلا دوں جس کو مجھ سے بجا یا بیجا نقصان پہنچا ہو، دوسری یہ کہ میں خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تاکہ یہ لوگ کسی دوسرے کو خلیفہ بنالیں۔ تیسری یہ کہ میں ان کے کسی ہم خیال صوبے یا شہر میں چلا جاؤں، جہاں میری اطاعت سے گلو خلاصی حاصل کر لیں، میں نے ان سے کہا پہلے کے خلفا سے بھی بجا یا بیجا غلطیاں ہوئی ہیں، لیکن ان سے کسی نے بدلے کا مطالبہ نہیں کیا، میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ میری جان کے پیچھے پڑے ہیں، اب رہی یہ بات کہ اللہ عزوجل کے کام اور خلافت سے دست بردار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارہ نہیں اس سے زیادہ پسندیدہ میرے لئے یہ ہے کہ مجھ پر کتے چھوڑ دیئے جائیں، اب رہا میرا شہروں میں بھیجا جانا جہاں لوگ میری اطاعت سے انکار کریں تو میں کوئی ان کا مختار نہیں ہوں پہلے بھی میں نے اپنی اطاعت پر ان کو مجبور نہیں کیا تھا انہوں نے تو اپنی اصلاح اور خوشنودی کے لئے خود ہی اطاعت کا اعلان کیا، تم میں سے جو بھی صرف دنیا کا طالب ہو گا اس کو اتنا ہی ملے گا جتنا خدا نے اس کے لئے مقدر کیا ہے، اور جس کا مقصود اللہ اور آخرت ہے امت کا مفاد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں خلفاء کی سنت ہے تو اللہ اس کو اس کی جزا دے گا میرے ہاتھ میں اس کی جزا نہیں، اگر میں تم کو ساری دنیا بھی دے دوں تو یہ تمہارے دین کی قیمت نہ ہو گی پس خدا سے ڈرو اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا ٹھیک اندازہ کرو تم میں سے جس کو عہد و پیمان توڑ دینا ہو، میں اس کیلئے یہ پسند نہیں کر سکتا اور نہ خدا کو یہ پسند ہے کہ اس کا عہد و پیمان توڑ دیا جائے۔ مجھ کو جو چیز پیش کی جا رہی ہے وہ حقیقت میں موت ہے اور دوسرے کو خلیفہ بنا دینا میں اس کو اللہ سبحانہ کی نعمت کو پھیر دینا تصور کرتا ہوں، اور خونریزی کو، امت میں نفاق کو اور برے طریقے کو ناپسند کرتا ہوں، میں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے کہتا ہوں کہ صرف حق اور عدل کا دامن پکڑو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس کے معاملے میں عہد کی پابندی

کر وارشادِ خداوندی ہے اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا یہ میری اللہ سے معذرت ہے شاید تم کچھ نصیحت پکڑو واما بعد۔ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم میں نے اگر کچھ لوگوں کو سزائیں دی ہیں تو اس سے میرا مقصد بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، میں اپنے ہر کام سے خدا کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اس سے مغفرت چاہتا ہوں اس کے سوا کوئی درگزر کرنے والا نہیں میرے رب کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے انہ لا یقنط من رحمۃ اللہ الا القوم الضالون۔ انہ یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیئات ویعلم ما یفعلون میں خدا سے تمہاری اور اپنی مغفرت چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس امت کے دل بھلائی پر جمع کردے اور فسق سے ان کو دور رکھے؛ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایھا المومنون المسلمون۔

(بقیہ کتابیات)

۶۷ مصباح الظلم امداد امام
۶۸ معجم البلدان یاقوت حموی
۶۹ مقاتل الطالبین ابوالفرج اصفہانی
۷۰ مقتل حسین ابی مخنف ازدی
۷۱ مقدمہ تاریخ ابن خلدون
۷۲ الملل والنحل ابن حزم
۷۳ 〃 〃 شہرستانی
۷۴ منہاج السنہ ابن تیمیہؒ
۷۵ الموطاء امام مالکؒ
۷۶ میزان الاعتدال ذہبی
۷۷ ناسخ التواریخ سپہر کاشانی
۷۸ نزہتہ القلوب حمد اللہ مستوفی
۷۹ وقعۃ الصفین نصر بن مزاحم
۸۰ ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام ڈاکٹر زاہد علی

کتابیات

۱۔ اخبار الطوال ابوحنیفہ الدینوری
۲ اخبار القرامطہ بالیمن
۳ ادب الخلفاء الاموی
۴ ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ
۵ الاستیعاب ابن عبدالبر
۶ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ
۷ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ابن حجر
۸ الاعلام قاموس التراجم الزرکلی
۹ اعلام الموقعین ابن قیم
۱۰ الامامۃ والسیاسۃ
۱۱ البدایہ والنہایہ ابن کثیر
۱۲ اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفا الخضری
۱۳ التنبیہ والاشراف مسعودی
۱۴ تقریب التہذیب ابن حجر
۱۵ الروض الانف شرح سیرۃ النبویہ
۱۶ اسلام معتقدات دائیین (لامن)
۱۷ العواصم من القواصم قاضی ابوبکر بن اعربی
۱۸ انساب الاشراف بلاذری
۱۹ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (انگلش)
۲۰ 〃 〃 برٹانیکا (گیارہواں اڈیشن)
۲۱ تاریخ ادبیات فارسی براؤن (انگلش)
۲۲ تاریخ ادبیات عرب نکلسن (〃)
۲۳ تاریخ ابن خلدون
۲۴ تاریخ ابن عساکر
۲۵ تاریخ الامم والملوک طبری
۲۶ تاریخ خطیب بغدادی
۲۷ تاریخ الخمیس دیاربکری
۲۸ تاریخ عرب امیر علی (انگلش)
۲۹ تاریخ عرب ہتی (انگلش)
۳۰ تاریخ عزت و زوال خلافت الکبریٰ
۳۱ تاریخ کعبۃ المعظمہ ازراقی
۳۲ الجامع اللطیف
۳۳ جلاء العیون ملا باقر مجلسی
۳۴ جمہرۃ الانساب ابن حزم
۳۵ جمہرۃ الخطب العرب احمد زکی صفوت
۳۶ حملہ حیدری مرزا ربیع باذل
۳۷ حیات الحیوان دمیری
۳۸ خلیفہ معاویہ لامن (فرنچ)
۳۹ خلیفہ یزید 〃 〃
۴۰ سنن ابی داؤد
۴۱ سنن نسائی
۴۲ سیرۃ ابن ہشام
۴۳ سیرۃ الحلبیہ
۴۴ سیرۃ النبی علامہ شبلی
۴۵ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید
۴۶ شیعیان ہند مسٹر ہولسٹر
۴۷ صحیح البخاری
۴۸ 〃 مسلم
۵۰ طبقات ابن سعد
۵۱ طبقات الشافعیہ
۵۲ عثمان ڈاکٹر طٰہٰ حسین
۵۳ علی وبنوہ 〃
۵۴ عقد الفرید احمد بن عبدربہ
۵۵ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب
۵۶ فاطمیتین مصر ڈاکٹر زاہد علی
۵۷ فتح الباری شرح بخاری
۵۸ کتاب اغانی ابوالفرج اصفہانی
۵۹ کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت ابوالحسن قدامہ
۶۰ کتاب السلوک الجندی
۶۱ کتاب الصافی الکلینی
۶۲ کتاب المحبر ابوجعفر محمد بن حبیب
۶۳ کتاب المعارف ابن قتیبہ
۶۴ کتاب نسب قریش مصعب الزبیری
۶۵ مجاہد اعظم شاکر حسین نقوی
۶۶ محاضرات تاریخ الخضری
۶۶ مسند احمد بن حنبلؒ

(بقیہ صفحہ ۵۱۴ پر)

از قلم محمد عبد اللہ فائق کرتنوی مقیم کراچی

تھا سراپائے حقیقت دہ حجاب ناروا ؛ ہمتِ محمود احمد پردۂ باطل درید

از پئے تاریخ فائق فکر کی کیا بات ہے ؛ کہہ دو مقبولِ جہاں ہے نقشِ تحقیقِ مزید

۱۳۸۱ھ

رباعی وقطعہ تاریخ

(از پروفیسر محمد مسلم صاحب مسلم عظیم آبادی)

محمود ہے محمود کی تالیفِ جدید	الحق کہ یہی ہے بابِ حقیقت کی کلید
مسلم نے کیا مصرعِ تاریخ یہ عرض	کیا خوب ہے یہ آپ کی تحقیقِ مزید

۱۳۸۱ھ

قطعہ

محدثوں نے کھنگالی بہت حدیث و خبر	مورخوں نے دکھائی مہارتِ تنقید
کیا نہ عدل کسی نے بنو امیہ سے	رہے ستم زدہ اب تک معاویہؓ و یزیدؒ
عجم کے اہلِ قلم تھے وہ شاطرِ عیار	سفید کو جو سیہ کر دیں اور سیہ کو سفید
تھی یہ سعادتِ عظمیٰ نصیبِ عباسی	حجابِ باطل اٹھا، رونما ہوا خورشید
چمک اٹھے گا اب اک ایک گوشۂ تاریک	کہ پھیلی مشعلِ تحقیق کی ضیائے مزید
امام کوئی بھی معصوم ہو رسول کے بعد	نہیں ہے ان سے کوئی بڑھ کے افترائے شدید
حسین ابن علیؓ گفت: "می کنم بیعت"[1]	محمد ابن علیؓ[2] ہم گرفت دستِ یزیدؒ
جنابِ ابن عمرؓ ہم وفائے بیعت کرد	جمیع ہاشمیاں ہم چنان بلا تردید

[1] طبری والبدایہ ودیگر کتب [2] ابن الحنفیہ

قطعہ تاریخ فارسی

(از حکیم محمد ظہیر الدین عباسی جونپوری مقیم کراچی)

چون علیؓ جامِ شہادت نوش کرد	متحد شد کل گروہِ مومنین
پس معاویہؓ بغیر اختلاف	شد امیر اجتماع المسلمین
کاتبِ سترِ نبوت بود او	ہم صحابی ہم امیر المومنین
بعد ازاں ابن معاویہؓ یزیدؒ	بر صحابہ شد امیر المومنین
بود او ابن صحابیِ رسول	خود امیر ابن امیر المومنین
کرد امامت بر صحابہائے رسول	یوم حج او بود امام المسلمین
بود داماد بنی ہاشم یزیدؒ	از بنی اعمامِ خیر المرسلین
آن یزیدؒ نامور مغفور شد	از حدیثِ رحمۃ للعالمین
نہر او شد باقیات الصالحات	کرد جاری او برائے مومنین
عالم و شیرین بیان بود است او	گفت ابن عم[1] خیر المرسلین
کردہ تعریفِ یزیدؒ متقی	عالمانِ اولین و آخرین
معجزہ کرد این کتاب[2] لاجواب	اے مسلمان! این کرامت را ببین
درمیانِ ہر دو ستی فرق شد	غیر لاعن شد جدا از لاعنین
از حوالہ شد مزین این کتاب	کرد تصنیف از بیانِ صادقین
کرد باطل اعتقادِ فاسدہ	ماحی کذب و دغل، بدعاتِ دین
حضرت محمودؒ باشد بے گمان	عالم و فاضل، محقق بالیقین
کاتبِ حالاتِ اسلافِ نکو	مصلحِ تاریخِ عہدِ اولین
کرد تصحیح روایاتِ قدیم	دور شد اغلاط از تحریر این
کاشفِ رمزِ حقیقت زندہ باد	زندہ باد! اے واقفِ اسرارِ دین
زندہ باد اے ضیغمِ علم و عمل	از طفیلِ رحمۃ للعالمین
گفت ہاتف: خوب تر شد این کتاب	می شود از تخرجہ تاریخ این
۱۹۹۶ - ۳۵ = ۱۹۶۱ء	
سر جدا کرد این کتاب لاجواب	از تمامی ہاجیان و لاعنین

تخرجہ ۴+ل=۵ + ۳۰ = ۳۵

[1] حضرت ابن عباسؓ

[2] کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ

ولہٗ

قطعہ اُردو

غزالی ثانی ہیں محمود احمد — مورخ، وسیع النظر اور اعلم
مجدّد ہیں تجدید تاریخ میں وہ — کیا جھوٹی باتوں کا شیرازہ برہم
وہ تالیف صادق میں ابن حزم ہیں — درایت میں ہیں ہیں خلدون معظم
ہیں ابن تیمیہ تنقید میں ہیں — دلائل میں ہیں ابن عربی اعظم
جو تاریخ تصنیف کو ڈھونڈتے ہو
تو کہدو۔ وہ ہادی معظم مکرم
۱۳۸۱ھ

(ایضاً)
(از قلم سید خورشید علی صاحب مہر تقوی جے پوری مقیم کراچی)

قطعہ تاریخ از صفائے قلب مہر
۶۱۹۶۱

مولفہ صداقت پسند محمود عباسی امروہوی	بمژدۂ انبساط تالیف "تحقیق مزید"
۱۳۸۱ھ	۱۳۸۱ھ
عالم تمثیل میں جس کی نہیں دید و شنید	حضرت محمود عباسی نے لکھی وہ کتاب
بولا ہاتف جامع و بےمثل "تحقیق مزید"	مہر کو تھا اس کی تاریخ طباعت کا خیال
۱۳۸۱ھ	